قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

الحمد للہ والمنۃ کہ تین مبارک رسالوں کا مجموعہ جن میں سے ہر ایک سنت نبویہ

کا روشن آئینہ ہے۔ اور انمیں سے پہلا رسالہ

دلیل الخیرات فی ترک المنکرات

اور دوسرا رسالہ

خیر الصلات فی حکم الدعاء للاموات

اور تیسرا رسالہ

التنویر فی حکم الجہر بالتکبیر

سابق الذکر دو رسالے حضرت علامہ اجل فاضل اکمل مولانا مولوی مفتی محمد کفایت اللہ صاحب

دامت فیوضہم صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی کے افادات طیبہ میں سے ہیں ۱۳۳۶ھ

دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں باہتمام ٹھاکرداس اینڈ سنز چھپکر شائع ہوئی

بار اول

تعداد ۱۰۰۰

صلائے خیر و ندائے حق

بعد الحمد والصلوٰۃ - خاکسار محمد ابراہیم رانڈیری مشتاقان سنت نبویہ کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ کچھ عرصہ سے برہما میں نماز جنازے کے بعد دعا مانگنے کے متعلق اختلاف ہو رہا تھا۔ اگرچہ دعائے مذکور کے طریقہ مروجہ کے متعلق فقہ حنفی اور حدیث نبوی کا صاف حکم یہی تھا کہ وہ سلف صالحین کے طریقے کے خلاف اور صراط مستقیم سے علیحدہ ہونیکی وجہ سے ناجائز اور بدعت ہے۔ اور علمائے حقانیین نے یہی حکم بتایا۔ مگر بعض لوگوں نے اس ناجائز کو جائز بنانے اور بدعت کو سنت کرکے دکھانیکی کوشش کی۔ اور عوام کو بہکانا شروع کیا*

یہ حالت دیکھکر محبی جناب حاجی داؤد ہاشم یوسف صاحب نے ایک سوال چھپوا کر تمام ہندوستان کے مشہور شہروں کے نامور علماء کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور حضرت مولانا الفاضل العلامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کی خدمت میں برہما کی بعض اور رسموں کے متعلق بھی ایک استفسار روانہ کرکے درخواست کی کہ ان کے متعلق ذرا تفصیلی جواب تحریر فرماویں۔ ادہر حضرت مولانا موصوف نے رسالہ دلیل الخیرات اور رسالہ خیر الصلات تحریر فرمائے۔ ادہر علمای ہندوستان کے پاس سے جواب آئے۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے رسالوں اور ان جوابوں کو یکجائی طور پر شائع کرنا مناسب سمجھکر یہ مجموعہ شائع کر دیا گیا۔ ان رسالوں میں جو مسائل مذکور ہیں وہ ایسے صاف اور واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ کہ کسی شخص کو بشرط انصاف کسی قسم کا شک و شبہہ باقی نہیں رہیگا اور اہل برہما کو اپنے بہت سے رسوم مروجہ کے متعلق شرعی احکام معلوم ہو جائینگے۔ اور جن سعید روحوں کو خدا و رسول سے محبت ہے۔ ان کے لیئے یہ مجموعہ مشعل راہ ہدایت ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ناظرین سے امید ہے کہ وہ ان رسالوں کے مصنف اور محرک اور مویدین کے حق میں دعائے خیر فرمائینگے۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم*

خاکسار محمد ابراھیم رانڈیری
خطیب جامع رنگون

رنگون
ربیع الاول سنہ ۱۳۳۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۰

امابعد خاکسار کے بعض مخلصین نے رنگون (برہما) سے بعض رسموں کا حکم شرعی دریافت کیا ہے مفصل جواب دینے سے پہلے مناسب ہے کہ بطور تمہید کے کچھ عرض کرکے پھر ان رسوم کے شرعی احکام ذکر کئے جائیں۔

قال اللہ عزوجل۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ۰	حق جل شانہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے (مسلمانو) تمہارے لئے رسول اللہ صلعم کی ذات مبارک میں بہی اقتدا ہے یعنی رسول خدا صلعم کی ذات بابرکات تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے
وقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد۔ متفق علیہ (مشکوۃ)	اور آن حضرت صلعم نے فرمایا کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جو دین میں داخل نہیں تو وہ بات اسی شخص پر مردود ہے۔ (بخاری ومسلم)
وقال علیہ السلام من یعش منکم فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ (مشکوۃ)	اور فرمایا آن حضرت صلعم نے کہ جو شخص تم میں سے زندہ رہیگا وہ بہت اختلاف دیکھیگا تو تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لینا۔ سنت کو مضبوطی سے اختیار کرنا۔ اور کچلیوں سے پکڑنا۔ اور نئی باتوں سے بچنا کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (امام احمد ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)
وقال علیہ السلام ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنۃ رواہ احمد (مشکوۃ)	اور فرمایا آن حضرت صلعم نے کہ جو قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو ان میں سے اس بدعت کے برابر سنت پر عمل کی توفیق اٹھ جاتی ہے (امام احمد)
وقال علیہ السلام من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام۔ رواہ البیہقی (مشکوۃ)	اور فرمایا آن حضرت صلعم نے کہ جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم وتوقیر کی اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

خدا عزوجل کے کلام بلاغت نظام اور احادیث خیر الانام علیہ الصلوۃ والسلام سے اچھی طرح واضح ہے کہ اہل اسلام کا اولین فرض یہی ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام اعمال وافعال میں پیش نظر رکھیں اور انہیں کو اپنا حقیقی رہبر اور رہنما سمجھیں اور اپنی نجات اخروی اور حیات ابدی کو انہیں کے اتباع میں منحصر جانیں۔

انبیا علیہم السلام کے ذریعہ سے ہی خدا کی رضامندی اور ناراضی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ بغیر ان کے بتلائے اور سکھائے ہوئے عقل انسانی ہرگز معلوم نہیں کر سکتی۔ کہ کن چیزوں سے خدا تعالے راضی ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہمارے لئے نمونہ کاملہ ہے اور ہمارا اولین فرض ہے کہ ہم آپ کی تابعداری اور پیروی کریں اور ذرہ برابر آپ کے نشان قدم سے نہ ہٹیں ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے آیت کریمہ مرقومہ بالا میں ہمیں یہی ہدایت فرمائی ہے کہ ہم احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مظہر آیات کو اپنے لیئے نمونہ کامل سمجھیں اور آپ کی سنت پر نہایت پختگی اور استحکام سے قائم رہیں یہی ہماری منزل مقصود ہے اور یہی معراج کمال۔

پھر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے دین و شریعت کے متعلق ہمیں ایسی کامل و مکمل تعلیم دی جس کی نظیر صفحات تاریخ مین نہین مل سکتی۔ معاش و معاد۔ شادی و غمی۔ تجارت و حرفت۔ تمدن و خلوت غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہین کہ آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کے متعلق ہمین اصول کلیہ یا مسائل جزئیہ تعلیم نہ فرمائے ہون۔

ایسے شفیق معلم اور مہربان مبلغ کے قربان جس نے ہماری تہذیب و تعلیم مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا۔ اور کوئی ضروری بات سکھانے سے اُٹھا نہین رکھی۔ بتایا۔ سکھایا۔ کرکے دکھا دیا۔ اور اُس وقت تک ہم سے جدا نہین ہوئے جبتک کہ شریعت کو ہمارے لیئے آفتاب کی طرح روشن اور صاف نہ کر دیا۔

فَصَلَّى اللهُ عَلَيْهِ مِنْ مُّبَلِّغٍ اَدَّى حَقَّ الرِّسَالَةِ وَالتَّبْلِيْغِ وَبَلَغَ اَقْصٰى مَدَاهُ وَلَمْ يُفَارِقْنَا حَتّٰى جَعَلَ لَنَا الشَّرِيْعَةَ شَرِيْعَةً بَيْضَاءَ اَلَّتِيْ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ ،

یعنی اللہ تعالےٰ باران رحمت نازل فرمائے اس مبلغ پر جس نے رسالت اور تبلیغ کا حق ادا فرما دیا۔ اور اُس وقت تک ہم سے مفارقت نفرمائی جبتک کہ شریعت کو ہمارے لیئے آفتاب کی طرح روشن اور منور نہ کردیا ایسا روشن جسکی رات بھی دن کی طرح نورانی ہے۔

باین ہمہ اختلاف رائے انسانی فطرت کا مقتضے تھا۔ اور نفس و شیطان انسان کے کچے دشمن جن کا ہر وقت یہی قصد اور ارادہ کہ انسان کو مردود بنا دین۔ مسلمان بھی ان دونون فتنون سے بےخوف اور مطمئن نہ تھے۔ اور وہ مرشد کامل (یعنی پیغمبر اسلام روحی فداہ) بھی اس پیش آنیوالے فتنہ سے پورے واقف اور خبردار تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ ظل نبوت مسلمانون کے سر سے اُٹھ جانے کے بعد ان مین طرح طرح کے اختلاف پیدا ہون گے۔ اور ایسے وقت مین نفس و شیطان کو موقع ملیگا۔ کہ وہ میری امت کو گمراہی کے غار مین گرا دین۔ اور ہوائے نفسانی کا متبع بنا کر نار جہنم مین پہنچا دین اس لیئے آپ نے امت کو صاف صاف الفاظ اور کھلے کھلے بیان سے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کا طریقہ اور اس روحانی مرض کا علاج بتا دیا اور سمجھا دیا۔

فرماتے ہین کہ جو شخص زندہ رہیگا وہ اختلافات کثیرہ دیکھے گا۔ لیکن اس کا علاج یہ ہے۔ کہ اُس وقت تم میری سنت کو نہایت مضبوطی اور استحکام سے پکڑ لینا۔ اور خبردار کسی نئی بات (بدعت) کو اختیار نہ کرنا کیونکہ ہر نئی بات (بدعت) گمراہی ہے اور گمراہی کا مآل اور نتیجہ دوزخ ہے۔ اور فرمایا کہ جو شخص ہمارے دین مین کوئی نئی بات نکالے۔ وہ اسی پر مردود ہے یعنی خدا اور رسول کے یہان وہ مقبول نہین۔

اور فرمایا کہ جب کوئی قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو ان مین سے اُسی کے مثل ایک سنت کی توفیق اُٹھا لیجاتی ہے۔ اور فرمایا کہ جو شخص بدعتی کی توقیر اور تعظیم کرتا ہے وہ گویا اسلام کے ڈھانے پر مدد کرتا ہے۔ یہ کیون اس لیئے کہ بدعتی خدا اور رسول کی توہین کرتا ہے کہ اس کی کامل و مکمل شریعت مین اپنی طرف سے ایجاد کرکے گویا خدا اور رسول کی جانب کوتاہی اور نقصان کی نسبت کرتا ہے یا خود احکام تجویز کرکے اپنے لیئے (تشریع احکام کا) خدائی منصب تجویز کرتا ہے۔ اس لیئے وہ تو درحقیقت اسلام کو ڈھاتا ہے اور جو اس کی تعظیم و تکریم کرے وہ اسلام کے ڈھانے مین اس کا مددگار ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔

مسلمانو! یاد رکھو اور خوب سمجھ لو کہ شرعی احکام میں بغیر خدا اور رسول کی اتباع کے نجات ناممکن ہے اور بدعت نہایت سخت اندیشناک چیز ہے کیونکہ اور گناہ تو ایسے ہیں کہ اُن سے ڈر کر انسان کبھی توبہ کر لیتا ہے لیکن بدعتی کو توبہ نصیب نہیں ہوتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بدعت کا ارتکاب دینداری سمجھ کر کرتا ہے اور اپنے خیال میں اُسے نیک کام سمجھتا ہے اس لیے توبہ کی طرف اُس کا دھیان اور خیال بھی نہیں جاتا۔

بدعت اگرچہ بظاہر کیسی ہی بھلی اور نیک معلوم ہو لیکن بڑے گناہ کی چیز ہے اس امر کی صاف اور روشن دلیل یہ روایت ہے۔

اخبر عبد اللہ بن مسعود رض بالجماعۃ الذین کانوا یجلسون بعد المغرب فیہم رجل یقول کبروا اللہ کذا وکذا وسبحوا اللہ کذا وکذا واحمدوا اللہ کذا وکذا۔	یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رض کو خبر دی گئی کہ ایک جماعت بعد مغرب بیٹھتی ہے اور ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی مرتبہ اللہ اکبر کہو اور اتنی مرتبہ سبحان اللہ کہو اور اتنی مرتبہ الحمد للہ کہو۔
فیفعلون فحضرہم فلما سمع ما یقولون قام فقال انا عبد اللہ بن مسعود فو الذی لا الٰہ غیرہ لقد جئتم ببدعۃ ظلماً ولقد فقتم علی اصحاب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام علماً۔ (مجالس الابرار)	اور سب لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رض اس جماعت میں گئے اور جب اُن کی یہ باتیں سنیں تو کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں عبد اللہ بن مسعود ہوں اور اُس خدا کی قسم جسکے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ تم لوگوں نے نہایت تاریک بدعت اختیار کی ہے یا تم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے علم میں بڑھ گئے ہو۔

اس روایت سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ان لوگوں کا یہ فعل باوجودیکہ ذکر الٰہی اور تکبیر و تسبیح و تہلیل ہی تھا۔ مگر چونکہ اسکو وضع اور ہیئت ایسی مقرر کی گئی تھی جس کا ثبوت شریعت مطہرہ سے نہیں تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رض کے نزدیک بُرا اور بدعت تھا۔

اس پر بدعت کا حکم لگانے کی وجہ کیا تھی۔ صرف یہی کہ ذکر اللہ اگرچہ ہر وقت مطلوب اور محبوب ہے مگر اس کے لیے یہ اہتمام واجتماع کرنا حد ود شریعت سے تجاوز کرنا تھا۔ ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ بطور خود جس قدر چاہے ذکر اللہ کرے لیکن یہ اختیار نہیں کہ ایک جدید اور نئی صورت اور ہیئت ایجاد کرے۔ اور پھر اسے طریق شرعی اور موجب ثواب اعتقاد کرے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کے جاوم مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ اور جن کے سینے نور وحی سے بوجہ فیض صحبت منور تھے۔ جنہوں نے خدا اور رسول کی محبت میں اپنے گھربار آل و اولاد اعزا و اقارب کو چھوڑ دیا اور آستانہ نبوت کی جاروب کشی کو سرمایۂ سعادت سمجھ کر دل و جان سے نبی امی روحی فداہ کے خادم جان نثار بن گئے۔ اُن سے زیادہ اتباع سنت کا دعوے کون کر سکتا ہے اور اُن سے بڑھ کر فنا فی اللہ و فنا فی الرسول کا دم کون مار سکتا ہے۔ وہ اتباع سنت سنیہ و اقتفاء آثار نبویہ کے برکات کو خوب سمجھتے تھے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کام کہ خود کیا یا جس کے کرنے کا حکم دیا اسکے خلاف کسی کام میں خیریت اور برکت نہیں ہو سکتی۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ بدعات میں نجات کی ویسی ہی امید ہے جس قدر کہ حنظل (اندرائن) سے شہد حاصل کرنے کی آرزو۔ وہ یقین و وثوق کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرکات و سکنات کا اتباع کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہی اتباع نجات کا کفیل اور مغفرت کا ضامن ہے۔

وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قصر نبوۃ کا حقیقی مکمل اور حسب ارشاد الیوم اکملت لکم دینکم کو اسلام کے عالیشان قصر کو ہر طرح کامل و مکمل اعتقاد کرتے تھے۔

انہیں وجوہ سے ان کو بدعات مخترعہ سے سخت نفرت تھی اور جس کام کو سنت نبویہ کے صراط مستقیم سے ایک بال کی برابر بھی ہٹا ہوا سمجھتے اُس سے دور بھاگتے تھے۔ اسی خیال سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ نے اس جماعت کے حلقۂ ذکر کو چونکہ اس خاص ہیئت و اہتمام کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کی پاک تعلیم مین نہیں پایا بدعت فرمادیا۔ اور بیج فرمایا کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسے اعلم الخلق اور صحابہ کرام جیسے خیرات ومبرات کے حریص ترین جماعت سے جب یہ اہتمام خاص منقول نہیں تو اب ان کے ایجاد کرنیوالون کو کہان سے اس کی خیریت اور بھلائی کا علم ہوگیا۔ کیونکہ خدا کے نزدیک کسی کام کی بھلائی معلوم ہونے کا ذریعہ صرف مشکوۃ نبوت ہے۔

کتب احادیث وسیر مین صحابۂ کرام سے بکثرت ایسے واقعات منقول ہین کہ انہون نے سنت نبویہ کے ذرا سے خلاف کو برا سمجھا اور نفرت ظاہر کی اور اُس مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔ حالانکہ بظاہر وہ افعال بھلے معلوم ہوتے تھے۔ بخلاف اس کے آج کل کے اہل بدعت اُس قسم کے کامون کو اصل دین بنانے کی کوشش کرتے ہین۔ یہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ کا واقعہ ہے۔ اگر آج کل کے ان علماء سے سوال کیا جائے کہ ایک جماعت مغرب کے بعد اس ہیئت و وضع سے تکبیر و تحمید و تہلیل کرتی ہے اس کا کیا حکم ہے تو وہ بجائے اسکے حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ کا یہ فتوی جواب مین پیش کرین بڑے زور سے کہین گے کہ یہ ذکر اللہ ہے۔ اور ذکر اللہ ہر حال مین باعث خیر و برکت ہے اور اس ہیئت و وضع کا یا تو بالکل ذکر نہ کرینگے یا اگر کیا تو اس کو بھی جائز بلکہ مستحب بنانے مین اپنی تمام کوشش صرف کردین گے ؎

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ لیکن ایک عاشق سنت اور قدر شناس ملت اگر اپنے سینہ مین حق شناس دل اور دل مین سنت نبویہ سے محبت رکھنے والی عقل رکھتا ہے تو وہ صاف کہدیگا کہ ان آج کل کے نام کے علماء سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضہ بدرجہا اعلم اور ذکر اللہ کے دلدادہ تھے۔ نیز وہ سنت و بدعت دونون کی حقیقت کو ان سے ہزارون حصہ زیادہ سمجھتے تھے۔ اور فیض صحبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مشرف اور صحابہ مین ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ اس لیئے اُن کا فتوے یقیناً حق اور ان نیم ملاؤن کے فتوے سے احق بالقبول ہے۔

الغرض مسلمانون کو اگر خدا و رسول سے محبت ہے اگر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے امیدوار ہین تو اُن کا اولین فرض یہ ہے کہ سنت نبویہ کی محبت اپنے دلون مین پیدا کرین اور اپنی ایجاد کردہ بدعات کو یکلخت چھوڑدین دینی امور مین اپنی رائے کو کافی نہ سمجھین۔ بلکہ کتاب اللہ و حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اس سے ماخوذ فقہ کو اپنا مطمع نظر بنالین اور اپنے تمام کام عبادات ہون یا معاملات شادی کے متعلق ہون یا غمی کے شریعت مطہرہ مقدسہ کے موافق کرلین ورنہ یاد رکھین کہ ان کے ایجاد کردہ بدعات چاہے کتنے ہی بظاہر خوشنما اور نیک ہون لیکن وہ خدا کی خوشنودی اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کے باعث نہین ہو سکتے۔ اور ان کے لیئے بجائے موجب نجات ہونیکے ذریعۂ عذاب ہو جائینگے۔

اب مین اُن رسمون کا ذکر کرتا ہون جن کا حکم بعض احباب رنگون نے دریافت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ رسمین برہما مین علے العموم یا بعض خاص خاص شہرون مین مروج ہین اور ساتھ ہی ساتھ اُن کا حکم شرعی بھی بتاتا ہون تاکہ جن

پاک روحوں کو سنت نبویہ سے محبت ہے وہ اس پر عمل کرکے نجات اخروی حاصل کرسکیں وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب +

رسم نمبر ۱ میت کی تجہیز و تکفین میں دیر کرتے اور بعض جگہ ایک دو روز کامل تک میت کو پڑا رکھتے ہیں۔

حکم شرعی یہ رسم خلاف شریعت اور میت کی تجہیز و تکفین میں تاخیر خلاف سنت ہے۔ اگرچہ یہ تاخیر کسی عزیز کے انتظار یا مال و دولت کی جانچ پڑتال یا تقسیم ترکہ کے اہتمام یا ایسی ہی کسی اور غرض سے کی گئی ہو بہر حال خلاف شریعت ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم اسرعوا بالجنازۃ فان تک صالحۃ فخیر تقدمونہا الیہ ان تک سوی ذلک فشر تضعونہ عن رقابکم متفق علیہ (مشکوۃ)

حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنازے کو جلدی لیجاؤ کیونکہ اگر میت نیک ہے تو اسکو خیر کیجانب جلدی پہنچا دوگے اور اگر بد ہے تو اپنی گردنوں سے بدی کو جلدی اتار پھینکو گے

یعنی جنازے کو بہر حال جلدی دفن کرنا چاہئے۔ اور میت خواہ نیک ہو یا بد بہر حال جلدی دفن کرنے میں فائدہ ہے۔ جیسے حدیث مذکور میں صاف بیان فرما دیا گیا ہے۔

ولما عاد النبی صلے اللہ علیہ وسلم طلحۃ بن البراء وانصرف قال ما اری طلحۃ الا وقد حدث فیہ الموت فاذا مات فاذنونی حتی اصلے علیہ وعجلوا بہ فانہ لا ینبغی لجیفۃ مسلم ان تحبس بین ظہرانی اہلہ ۔ رواہ ابوداود ۔ (رد المحتار)

جب رسول اللہ صلعم طلحہ بن براء کی عیادت کرکے واپس پہنچے تو فرمایا کہ میں نہیں خیال کرتا مگر یہ کہ طلحہ میں آثار موت پیدا ہوگئے ہیں تو جب انکا انتقال ہوجائے تو مجھے خبر کر دینا تاکہ میں انپر نماز پڑھوں اور انکی تجہیز تکفین میں جلدی کرنا کیونکہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ مسلمان کا مردہ اپنے گھر والوں میں زیادہ دیر روکا جائے۔

ویسرع فی جنازہ (در مختار) وکرہ تاخیر صلوتہ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلوۃ الجمعۃ۔ (در مختار)

مردے کی تجہیز تکفین میں جلدی کیجائے اور بعد تیاری جنازہ اسکی نماز پڑھنے اور دفن کرنے میں اس غرض سے دیر کرنا کہ بعد نماز جمعہ بڑی جماعت سے جنازہ پڑھیں گے مکروہ ہے۔

رسم نمبر ۲ جب جنازہ لیکر چلتے ہیں تو جنازے کے آگے کچھ لوگ باواز بلند کلمہ شریف پکار کر پڑھتے جاتے ہیں قبرستان تک ایسا کرتے ہیں۔

حکم شرعی جنازے کے ساتھ کلمہ یا اور کچھ بلند آواز سے پڑھنا مکروہ اور بدعت ہے۔

وعلی متبعی الجنازۃ الصمت ویکرہ لہم رفع الصوت بالذکر والقرأۃ (جوہرہ نیرہ)

جنازے کے پیچھے جانیوالوں کو خاموش رہنا چاہیئے اور بلند آواز سے ذکر کرنا یا قراءت کرنا ان کے لیئے مکروہ ہے۔

ویکرہ رفع الصوت بالذکر والقرآن وعلیہم الصمت وقولہم کل حی سیموت ونحو ذلک خلف الجنازۃ بدعۃ (مراقی الفلاح)

بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور جنازے کے ہمراہیوں کو خاموشی لازم ہے اور ان کا یہ قول "کل حی الخ" یا اس جیسے اور کلمات کہنا جنازے کے پیچھے بدعت ہیں۔

ویکرہ رفع الصوت فیہا بالذکر وقرأۃ القرآن ذکر فی فتاوی العصر انہا کراہۃ تحریم واختارہ مجد الائمۃ الترجمانی وقال علاء الدین التاجری

جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ فتاوے العصر میں مذکور ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے اور اسی کو مجد الائمہ ترجمانی نے اختیار کیا اور علاء الدین تاجری نے کہا

ترك الاولى ومن اراد الذكر والقراءة فليذكر
وليقرأ في نفسه وقال قيس بن عبادة كان اصحاب
رسول الله صلى الله عليه وسلم يكرهون رفع الصوت عند ثلث
عند القتال وفي الجنازة وفي الذكر ذكره ابن المنذر في الاشراف

کہ خلاف اولیٰ ہے۔ اور جو ذکر اور قراءت کرنا چاہے اُسے چاہئے کہ
دل میں کرے۔ اور قیس بن عبادہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم کے اصحاب کرام تین جگہ آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔ قتال کے
وقت اور جنازے میں اور ذکر میں۔ (غنیۃ المستملی)

وعلى متبعي الجنازة الصمت ويكره لهم رفع الصوت
بالذكر وقراءة القرآن كذا في شرح الطحاوي (عالمگیری)

جنازے کے ساتھ جانے والوں کو خاموشی لازم ہے۔ اور اُن کو ذکر
یا قراءت قرآن بلند آواز سے کرنا مکروہ ہے۔

اعلم ان الصواب المختار وما كان عليه السلف
رضي الله عنهم السكوت في حال السير مع الجنازة
فلا يرفع صوت بقراءة ولا ذكر ولا غير ذلك
والحكمة فيه ظاهرة وهي انه اسكن لخاطره و
اجمع لفكره فيما يتعلق بالجنازة وهو المطلوب في
هذا الحال فهذا هو الحق ولا تغترن بكثرة
من يخالفه فقد قال ابو علي الفضيل بن
عياض رضي الله عنه ما معناه الزم طرق
الهدى ولا يضرك قلة السالكين واياك
وطرق الضلالة ولا تغتر بكثرة الهالكين
وقد روينا في سنن البيهقي ما يقتضي
ما قلته اھ
(كتاب الاذكار للنووي)

جاننا چاہئے کہ راہ حق اور پسندیدہ اور جس پر سلف صالحین کاربند
تھے وہ یہی ہے کہ جنازے کے ساتھ چلنے کی حالت میں خاموش
رہے اور قراءت یا ذکر بلند آواز سے نہ کیا جائے اور اس کی
حکمت ظاہر ہے وہ یہ کہ حالت خاموشی میں دل کو اطمینان اور
یکسوئی زیادہ ہوگی جس سے جنازہ کے حالات میں اچھی طرح غور و
فکر کر سکیگا۔ اور اس حالت میں یہی مطلوب ہے۔ بس یہی حق ہے۔
اور اس سے دھوکا نہ کھانا کہ اس کے خلاف عمل کرنیوالے بکثرت
ہیں کیونکہ عارف باللہ فضیل بن عیاض رح نے ایسی بات فرمائی ہے
جس کا مطلب یہ ہے کہ راہ حق کو لازم پکڑو اور اس کا خیال نہ کرو اس
راہ کے چلنے والے کم ہیں اور گمراہی کے راستوں سے بچتا رہ اور
اس سے دھوکا نہ کھا کہ ان راستوں میں چلنے والے اور درحقیقت
ہلاک ہونیوالے بہت ہیں۔ اور سنن بیہقی میں ایسی روایتیں ہمیں ملی
ہیں جن سے ہمارے کلام کی تائید ہوتی ہے۔

قوله ويكره رفع الصوت - قيل يكره تحريما كما في
القهستاني عن القنية وفي الشرح عن الظهيرية
فان اراد ان يذكر الله تعالى ففي نفسه اي سرا
بحيث يسمع نفسه وفي السراج ويستحب لمن
تبع الجنازة ان يكون مشغولا بذكر الله تعالى
والتفكر فيما يلقاه الميت وان هذا عاقبة اهل
الدنيا وليحذر عما لا فائدة فيه من الكلام فان
هذا وقت ذكر وموعظة فتقبح فيه الغفلة فان لم
يذكر الله تعالى فليلزم الصمت ولا يرفع صوته
بالقراءة ولا بالذكر ولا يغتر بكثرة من يفعل

قولہ۔ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے کہا گیا کہ یہ کراہت تحریمی ہے جیسا کہ
قہستانی میں قنیہ سے منقول ہے اور شرح میں ظہیریہ سے منقول
ہے کہ اگر کوئی خدا کا ذکر کرنا چاہے تو اپنے نفس میں یعنی چپکے چپکے کرے
اس طرح کہ اپنی آواز خود سن لے۔ اور سراج میں ہے کہ جو شخص جنازے
کے پیچھے جائے اس کے لئے مستحب ہے کہ خدا کے ذکر میں آہستہ آہستہ
مشغول رہے اور یہ سوچے کہ میت کو کیا کیا حالات پیش آئیں گے
اور یہ کہ اہل دنیا کا انجام یہی ہے اور بے فائدہ باتوں سے بچے کیونکہ
یہ وقت ذکر اور نصیحت کا ہے۔ تو ایسے وقت غفلت بری ہے اور اگر
ذکر اللہ نہ کرے تو خاموشی لازم سمجھے۔ اور ذکر اور قراءت بلند آواز
سے نہ کرے اور اس بات سے دھوکا نہ کھائے کہ ایسا کرنیوالے

ذلك. واما ما يفعله الجهال في القرأة على الجنازة من دفع الصوت والتمطيط فيه فلا يجوز بالاجماع ولا يسع احدا يقدر على انكاره ان يسكت عنه ولا ينكر عليه انتهى ؎	بہت ہیں۔ اور جاہلوں کا یہ فعل کہ جنازے پر قرأت کرتے ہیں بلند آواز سے اور گانے کی طرح بڑھا کر پڑھا کرتے ہیں بالاتفاق ناجائز ہے اور جو شخص ان لوگوں کو روک سکے اسے خاموش رہنا اور انکار نہ کرنا جائز نہیں ؎ (الطحطاوی علی مراقی الفلاح)

خلاصۂ کلام نصوص فقہیہ کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ جنازے کیساتھ ذکر الٰہی اور احوال موت اور انجام دنیا میں غور و تدبر کیساتھ جانا چاہیے اور بلند آواز سے ذکر کرنا یا قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ ایک روایت کے بموجب کراہت تحریمی ہے اور دوسری کے بموجب تنزیہی۔ اور دونوں صورتوں میں

رسم نمبر ۳

جنازے کیساتھ کھانے کے خوانچے آگے آگے لیکر چلتے ہیں جسمیں مختلف قسم کے کھانے اور میوے ہوتے ہیں پھر یہ کھانا اور میوے قبرستان میں تقسیم کرتے ہیں

حکم شرعی

واضح ہو کہ میت کیلئے ایصال ثواب کرنا نہایت مستحسن ہے کیونکہ اموات خیرات و مبرات کی بہت محتاج اور منتظر رہتی ہیں۔ اور انکو ثواب پہنچانا اپنے عزیز یا دینی بھائی کی امداد و اعانت کرنا ہے۔ اور طائفہ اہل حق یعنی اہلسنت والجماعت کے نزدیک تمام عبادات مالیہ و بدنیہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ پس ہر مسلمان کو مناسب ہے کہ وہ اپنے اموات اعزاء و اقارب و احباب و اخوان مسلمین کو انکے اس آڑے وقت میں نفع پہنچانے اور انکی امداد و اعانت کرنے میں غفلت نہ کرے۔ اور جہانتک اسکے امکان میں ہو انکو ثواب پہنچائے۔ لیکن واضح رہے کہ ثواب پہنچانیکا مطلب صرف یہ ہے کہ انسان جو نیک کام کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کیطرف سے اسکا ثواب اُسکے لیے لکھا جاتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ اختیار بھی عطا فرما دیا ہے کہ اپنا ثواب جسکو پہنچانا چاہے پہنچا دے۔ اور صرف اس کہنے سے کہ یا اللہ میرے اس کام یا اس صدقہ کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا دے۔ یا میں نے اس کام یا اس صدقہ کا ثواب فلاں شخص کو بخش دیا۔ اس میت کو ثواب پہنچ جاتا ہے یعنی شریعت مقدسہ نے ثواب پہنچانے کیلئے اس طریقہ کے علاوہ کوئی خاص صورتیں اور خاص قیود مقرر نہیں فرمائیں۔ اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین یا ائمہ مجتہدین و سلف صالحین سے بھی ایصال ثواب کے لیے کوئی خاص قیود اور خاص صورتیں منقول نہیں۔ لیکن لوگوں نے ایصال ثواب کے نئے نئے طریقے اور اُسکے لیے خاص خاص صورتیں ایجاد کرکے انہیں لازم کر لیا اور سمجھ بیٹھے کہ بس اسیطرح ثواب پہنچتا ہے یا اس طرح پہنچانے سے زیادہ ثواب پہنچتا ہے۔ کسی نے ایصال ثواب کے لیے خاص دن مقرر کر لیے کسی نے صدقہ کیلیے خاص خاص چیزیں اور انکی مقدار معین کر لی۔ کسی نے مقامات کی تعیین کر لی کہ مثلاً قبر پر ہونا چاہیے۔ کسی نے کچھ کسی نے کچھ ان قیودات اور تعینات مخترعہ کی وجہ سے ایصال ثواب جیسا نیک کام بدعات کا مجموعہ بن گیا۔ اور حسب تصریح فقہائے کرام وہ بجائے مفید ہونے کے الٹا نقصان کا سبب ہو گیا۔ ایصال ثواب کے متعلق جسقدر قیودات و تعینات غیر مشروعہ ایجاد کر لی گئی ہیں یا بوجہ التزام و اہتمام وہ غیر مشروع اور بدعت ہو گئی ہیں۔ اُنکی تفصیل کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔ بہت سی ایسی صورتیں ہیں کہ فقہائے کرام کے زمانہ میں وہ پیدا ہو گئی تھیں اُنکے احکام تو فقہاء کلام میں مذکور ہیں لیکن بہت سی ایسی ہیں کہ انکا وجود تھوڑے زمانہ سے ہوا ہے۔ اسلیئے خاص اُنکا ذکر کتب فقہ میں نہیں ملتا۔ یہاں پر افسوس نہ سخت افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان بدعات کی ترویج و اشاعت میں عوام الناس زیادہ قابل الزام نہیں بلکہ وہ نام کے علماء ہیں جنہوں نے لوگوں سے بحیلہ ایصال ثواب اپنے علم کا خراج وصول کرنا اپنا انتہائی مقصود سمجھ رکھا ہے۔ ان بدعات کے زیادہ تر ذمہ دار یہی حضرات ہیں جنہوں نے عوام کو سمجھایا کہ تمہاری یہ تمام ایجادیں جائز ہیں بلکہ مستحب و سنت ہیں اور بجائے اسکے کہ بدعات سے انکو نفرت دلاتے اور سنت نبویہ کی تعلیم کرتے اور اُسکے اتباع کا شوق اور محبت انکے دلوں میں پیدا کرتے صحابہ کرام کے حالات ان پر پیش کرتے۔ ائمہ دین و سلف صالحین کی پاک سیرت انہیں سکھاتے ایک طوفان بدعات میں انہیں غرق کر دیا۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان خدا ترس اور اہل حق علماء کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا۔ جنہوں نے انکو بدعت بتایا۔ اور بدعت کے برے انجام اور نتیجہ بد سے آگاہ کیا۔ حالانکہ اہل حق فقہ حنفیہ کی صریح عبارتیں پیش کرتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف ارشادات بیان کرتے ہیں مگر انکو وہابی غیر مقلد بتا کر عوام کے قلوب کو ان سے برگشتہ کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت خود اپنے مذہب اور فقہ حنفیہ کی صریح مخالفت کرکے حقیقی طور پر خود غیر مقلد بنتے ہیں مگر ان بدعات کی اشاعت سے جو آمدنی انکو ہوتی ہے اُسکے مقابلہ میں

ترک تقلید و ترک سنت بھی کچھ خیال نہیں کرتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔ منجملہ دیگر رسوم ایصال ثواب کی ایک رسم یہ بھی ہے جو نمبر ۳ میں بیان کیگئی ہے۔ یہ کام اگرچہ ایصال ثواب کے حیلے سے کیا جاتا ہو مگر اسکی یہ صورت کہ جنازہ کے ساتھ کھانا قبرستان کو بیجایا جائے بدعت ہے۔ اور چونکہ فقہاء کے زمانہ میں یہ رسم پیدا ہوگئی تھی اسلیئے اسکا صریح حکم کتب فقہ میں موجود ہے اور وہ یہ ہے:-

قوله بدعة اى قبيحة كالسعى بالكفارة ذكر ابن الحاج فى المدخل فى الجزء الثانى ان من البدع القبيحة ما يحمل امام الجنازة من الخبز والخرفان ويسمون ذلك عشاء القبر واذا وصلوا اليه ذبحوا ذلك بعد الدفن وفرقوه مع الخبز وذكر مثله المناوى فى شرح الاربعين فى حديث من احدث فى امرنا هذا ما ليس منه فهو رد قال ويسمون ذلك بالكفارة فانه بدعة مذمومة قال ابن امير حاج ولو تصدق بذلك فى البيت سرا لكان عملا صالحا لو سلم من البدعة اعنى ان يتخذ ذلك سنة او عادة لانه لم يكن من فعل من مضى يعنى السلف والخير كله فى اتباعهم اھ (طحطاوى على مراقى الفلاح)

یعنی لوگوں کا جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے کلمہ جی سیمون یا اسی جیسا اور ذکر کرنا بدعت ہے یعنی بدعت قبیحہ ہے جیسے وہ رسم جسے کفارہ کہا جاتا ہے علامہ ابن الحاج نے اپنی کتاب مدخل کے جزء ثانی میں ذکر کیا کہ بدعات قبیحہ میں سے ہے یہ رسم کہ جنازے کے آگے روٹیاں اور بکری کے بچے لیجاتے ہیں اور اسے عشاء قبر (اور بعض جگہ توشہ) کہتے ہیں۔ اور قبر پر پہنچکر بکری کے بچوں کو دفن کے بعد ذبح کرتے ہیں۔ اور انکا گوشت روٹیوں کے ساتھ تقسیم کردیتے ہیں اور ایسا ہی علامہ مناوی نے شرح اربعین میں حدیث من احدث الخ کے تحت میں لکھا ہے اور کہا کہ ایسے لوگ کفارہ کہتے ہیں اور یہ بدعت مذمومہ ہے۔ علامہ ابن امیر حاج نے فرمایا کہ اگر وہ یہ روٹیاں وغیرہ گھر پر ہی تقسیم کردیتے تو نیک عمل ہوتا بشرطیکہ وہ بھی بدعت سے سالم رہتا یعنی اُسے سنت نہ سمجھا جاتا۔ یا اسکی عادت نہ کرلیجاتی کیونکہ یہ کام سلف میں پایا نہیں گیا۔ اور خیریت تمام کی تمام اتباع سلف میں ہے۔

اس عبارت میں جو علامہ سید احمد طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح میں نقل کی ہے صاف طور پر اس رسم کا صریح رد ہے جو لوگوں میں رواج پذیر ہوگئی ہے کہ قبرستان میں جنازہ کیساتھ کھانا وغیرہ لیجاکر تقسیم کرتے ہیں اور اسے بدعت قبیحہ مذمومہ بتایا ہے نیز علامہ ابن امیر حاج کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر مکان پر بھی صدقہ کیا جائے تو اسکے جواز یا استحسان کیلیئے بھی یہ شرط ہے کہ اُسے سنت نہ سمجھا جائے اور اسکا التزام اور عادت نہ کرلیجائے ورنہ وہ بھی ناجائز اور بدعت ہوجائیگا۔ نیز یہ بھی صاف فرمادیا کہ خیریت اور بھلائی اتباع سلف میں منحصر ہے۔ اس صریح عبارت اور صاف دلیل کے علاوہ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ چونکہ اس رسم کے ادا کرنے میں ریاء و شہرت اور پابندی رسم و رواج کے خیالات کا ضروری طور پر دخل ہوتا ہے اس لیئے اسکے ناجائز اور بدعت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ جو کام بغرض ریاء و سمعہ کیا جائے اس میں ثواب کی امید رکھنا ایک خیال عبث ہے اور کتب فقہ میں تصریح موجود ہے کہ ایسے افعال واجب الترک ہیں:-

لاشك فى فرضية علم الفرائض الخمس وعلم الاخلاص لان صحة العمل موقوفة عليه وعلم الحلال والحرام وعلم الرياء لان العابد محروم من ثواب عمله بالرياء اھ (رد المحتار شامی)

اسمیں شک نہیں کہ فرائض خمسہ کا علم حاصل کرنا فرض ہے اور اسیطرح علم اخلاص کیونکہ عمل کی صحت اخلاص پر موقوف ہے۔ اور علم حلال و حرام اور علم ریاء بھی فرض ہے کیونکہ ریاء کی وجہ سے عابد اپنی عبادت اور عمل کے ثواب سے محروم رہتا ہے +

وفى البزازية يكره اتخاذ الطعام فى اليوم الاول والثانى والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الى القبر فى المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءة سورة الانعام او الاخلاص والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاكل يكره

بزازیہ میں ہے کہ موت کے پہلے اور تیسرے دن اور ساتویں دن کھانا کرنا اور قبر پر کھانا لیجانا .... موسم میں۔ اور قرآن پڑھنے پڑھانے کیلیے دعوت کرنا اور صلحاء اور قراء کو ختم قرآن کے لیئے یا سورہ انعام و اخلاص پڑھنے کے لیئے جمع کرنا یہ سب مکروہ ہے اور حاصل یہ ہے کہ قرأت قرآن کے وقت کھانا کرنا مکروہ ہے۔ اور فتاوی بزازیہ کی

وفیہا من کتاب الاستحسان وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اھ واطال فی ذلک فی المعراج وقال وھذہ الافعال کلہا للسمعۃ والریاء فیحترز عنہا لانہم لا یریدون بہا وجہ اللہ تعالٰی اھ (رد المحتار شامی)

کتاب الاستحسان میں ہے کہ اگر فقراء کے لیے کھانا پکایا جائے تو اچھا ہے معراج میں طویل بحث کرکے کہا کہ یہ تمام افعال شہرت ناموری کیلئے کیے جاتے ہیں پس ان سے احتراز کیا جائے کیونکہ لوگ ان سے خدا کی خالص رضامندی کا قصد نہیں کرتے

اس عبارت میں کئی باتیں نہایت صاف طور سے مذکور ہیں۔ اوّل یہ کہ میت کے پہلے روز یعنی یوم انتقال و دفن میں کھانا پکوانا اور اجتماع کرنا اور ختم قرآن کا اہتمام و اجتماع اور تیسرے روز اور ساتویں دن اور ہر ہفتہ کے بعد بھی اہتمام اور اجتماع کرنا یہ سب مکروہ ہے اور یہ افعال اکثری طور پر بغرض شہرت و ناموری و نمود کیے جاتے ہیں اسلیئے بدعت و ناجائز ہیں۔ اگر فقراء کو کھانا کھلایا جائے یا تقسیم کیا جائے تو بشرطیکہ اُسے سُنت نہ سمجھا جائے اور اسکا التزام کرکیا جائے تو جائز ہے۔ یعنی بغیر کسی تعیین تاریخ یا تخصیص طعام کے جب وقت میسر ہو بغرض خوشنودی خداتعالے کھانا پکا کر فقراء کو کھلادو یا تقسیم کردو اور اسکا ثواب میت کو پہنچادو تو مضائقہ نہیں بلکہ بہتر ہے +

رسم نمبر ۴ دفن کے بعد جب قبرستان سے واپس آتے ہیں تو راستہ میں ایک شخص پان کا خوانچہ لیے کھڑا رہتا ہے وہ سب کو پان تقسیم کرتا ہے اور گلاب چھڑکتا ہے جیسے شادی میں کرتے ہیں +

حکم شرعی اگر یہ پان اہل میت کی طرف سے تقسیم کیے جاتے ہیں تو اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اہل میت سے کسی قسم کی دعوت لینا مکروہ اور بدعت ہے اور یہ پان تقسیم کرنا بھی ایک قسم کی دعوت ہے جو اُنکے ذمہ لازم کردی گئی ہے یا اُنسے خود لازم کرلی ہے +

قال فی الفتح ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ الخ (رد المحتار)

فتح القدیر میں ہے کہ اہل میت کیجانب سے کھانے کی دعوت کیجاتی ہے مکروہ ہے کیونکہ دعوت خوشی کے موقع پر مشروع ہے نہ غمی کے موقع پر اور یہ بری بدعت ہے

اسیطرح گلاب چھڑکنا بے اصل اور بدعت ہے کیونکہ اس موقع پر حاضرین پر گلاب چھڑکنے کی کوئی معقول وجہ نہیں سوائے اسکے کہ اپنی ناموری اور ریا مقصود ہو اس سے میت کو ثواب پہنچانا بھی تو مقصود نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ کوئی عبادت اور قربت کا کام نہیں ہے نہ صدقہ ہے۔ لہذا یہ فعل

رسم نمبر ۵ جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اُسکے ذمہ جتنے روزے اور نمازیں وغیرہ ہوتی ہیں اسکے لیے ساڑھے بارہ سیر گیہوں اور ایک قرآن شریف رکھتے ہیں اور مؤذن یا مُلّا کو بُلاکر اُسے کہتے ہیں کہ فلاں بن فلاں کے ذمہ جسقدر روزے نمازیں باقی ہیں اُنکے عوض میں تمہیں یہ گیہوں اور قرآن مجید دیا جاتا ہے تم نے قبول کیا۔ وہ کہتا ہے ہاں قبول کیا۔ پھر وہ مُلّا گیہوں اور قرآن شریف لیجاتا ہے اس طریقہ کو لوگ حیلہ کہتے ہیں +

حکم شرعی یہ رسم تھوڑے تھوڑے اختلاف اور تفاوت کیساتھ ہندوستان کے بعض شہروں میں بھی رائج ہے اور اسے اسقاط کہتے ہیں اسکی اصل یہ ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اُسکے ذمہ فرائض اسلامیہ کی قضا باقی ہو جیسے نماز روزے کفارہ قسم۔ قربانی وغیرہ داخل ہیں تو ان فرائض و واجبات کا فدیہ اسکی طرف سے ادا کردینے سے امید ہے کہ اس کا ذمہ بری ہو جائے۔ پھر اگر میت نے وصیت کردی ہو کہ میری تمام نمازوں اور روزوں وغیرہ کا فدیہ دیدیا جائے تب تو وارث کو لازم ہے کہ جسقدر نمازیں اور روزے وغیرہ میت نے بتائے ہیں یا وارث کو معلوم ہیں اُنکا پورا فدیہ ثلث مال تک اسمیں خرچ کردے۔ اگر بعض وصیت پورا فدیہ ثلث مال یا اس سے کم میں ادا ہو جاتا ہو تو پورے فدیہ سے کم ادا کرنے میں وارث گنہگار ہوگا +

ولو مات وعلیہ صلوات فائتۃ واوصٰی بالکفارۃ یعطٰی لکل صلٰوۃ نصف صاع من بر کالفطرۃ وکذا حکم الوتر والصوم وانما یعطی من ثلث مالہ + (در مختار)

اگر کوئی شخص مرگیا اور اسپر قضا نمازیں تھیں اور فدیہ دینے کی وصیت کرگیا تو ہر نماز اور وتر اور روزے کے بدلے نصف صاع گیہوں مثل صدقہ فطر کے دیئے جائیں اور صرف ثلث مال سے فدیہ دیا جائے گا +

اور اگر میت نے باوجود مال ہونیکے وصیت نہیں کی یا وصیت کی مگر جتنی نمازیں اور روزے اُسکے ذمہ تھے اُن سب کے فدیہ کی پوری مقدار کی وصیت نہیں کی تو پہلی صورت میں وارث کے ذمہ فدیہ دینا اور دوسری صورت میں پورا فدیہ دینا (خواہ ثلث کے اندر ہو) ضروری نہیں اور میت اگر صورت میں

قوله لو لم يترك مالا اي اصلا او كان ما اوصى به لا يفي زاد في الامداد او لم يوص بشيء واراد الولي التبرع الخ واشار بالتبرع الى ان ذلك ليس بواجب على الولي ونص عليه في تبيين المحارم فقال لا يجب على الولي فعل الدور وان اوصى به الميت لانها وصية بالتبرع والواجب على الميت ان يوصي بما يفي ان لم يضق الثلث عنه فان اوصى باقل وامر بالدور وترك بقية الثلث للورثة او تبرع به لغيرهم فقد اثم بترك ما وجب عليه اه (رد المحتار شامی)

یعنی میت نے کچھ مال نہیں چھوڑا یا جو وصیت کی ہے وہ فدیہ کی مقدار واجب سے کم ہے۔ امداد میں یہ صورت اور بڑھائی کہ یا بالکل وصیت نہیں کی اور ولی تبرع کرنا چاہے اور لفظ تبرع سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہ فعل ولی پر واجب نہیں اور تبیین المحارم میں اسپر تصریح کی اور کہا کہ ولی پر فعل دور واجب نہیں اگرچہ میت نے اسکی وصیت کی ہو کیونکہ یہ وصیت بالتبرع ہے اور میت پر واجب ہے کہ وہ اتنی مقدار کی وصیت کرے جو فدیہ واجبہ کو کافی ہو بشرطیکہ ثلث مال میں اتنی گنجایش ہو تو اگر میت نے مقدار واجب سے کم وصیت کی اور دور کا حکم کیا اور بقیہ ثلث ورثہ کے لیے چھوڑ دیا یا کسی اور کو دلوایا تو میت بوجہ ترک واجب گنہگار رہا۔

اور جبکہ میت نے بالکل وصیت نہیں کی یا مال نہیں چھوڑا یا ثلث سے زائد کی وصیت کی۔ یا تھوڑے سے روزوں اور نمازوں کے فدیہ کی وصیت کی حالانکہ ثلث میں اس سے زیادہ گنجایش تھی۔ یہ چار صورتیں ہیں پہلی دو صورتوں میں وارث کے ذمہ بالکل اور تیسری صورت میں زائد علی الثلث اور چوتھی صورت میں زائد علی الوصیۃ فدیہ دینا واجب نہیں۔ لیکن اگر وارث تبرعاً دینا چاہے تو دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وارث مالدار ہو اور میت کے ذمہ جسقدر نمازیں روزے وغیرہ فرائض و واجبات شرعیہ ہیں ان سب کا پورا حساب کر کے فدیہ دے تو اسکے جواز بلکہ استحسان میں کلام نہیں بلاشبہ یہ فعل جائز اور مستحسن ہے۔ دوسری صورت یہ کہ وارث کے پاس بھی مال نہیں ہے یا ہے مگر وہ پورا فدیہ دینا نہیں چاہتا تو اسکے لیے فقہاء نے ایک صورت تجویز کی ہے کہ اسپر عمل کرنے سے ممکن ہے کہ میت کا ذمہ بھی بری ہو جائے اور وارث پر بھی زیادہ بار نہو۔ وہ یہ کہ جسقدر نمازوں کا وہ فدیہ دے سکتا ہے (خواہ اپنے مال سے یا قرض لیکر) اتنی نمازوں کی طرف سے وہ فدیہ کسی فقیر کو دے۔ مثلاً اسکے پاس چار صاع گیہوں ہیں تو یہ کہے کہ یہ آٹھ نمازوں کا فدیہ ہے اور فقیر کو دیکر قبضہ کرا دے۔ پھر وہ فقیر یہ گیہوں وارث کو ہبہ کر دے اور وارث قبضہ بھی کرے۔ پھر یہ وارث وہی گیہوں اسی فقیر یا کسی دوسرے فقیر کو اور آٹھ نمازوں کے بدلے میں دے۔ اور پھر وہ فقیر وارث کو ہبہ کر کے قبضہ کرا دے۔ اسیطرح اگر میت کے ذمہ اتنی نمازیں تھیں تو دس مرتبہ دور کرے یعنی وارث فقیر کو دے اور فقیر وارث کو ہبہ کرے۔ اور ہر مرتبہ قبضہ کر لینا شرط ہے ورنہ صدقہ یا ہبہ صحیح نہوگا۔ پھر جب نمازیں پوری ہو جائیں تو روزوں کے بدلے اسی طرح کرے کہ یہ چار صاع آٹھ روزوں کے بدلے میں دے اور پھر فقیر اسے ہبہ کر دے وکذا۔ یہانتک کہ روزے پورے ہو جائیں۔ پھر دیگر واجبات کو اسی طرح پورا کیا جائے۔ اور جب سب سے فراغت ہو جائے تو اخیر میں خواہ فقیر وارث کو ہبہ نہ کرے لیکر چلا جائے یا ہبہ کر دے تو وارث اپنی رضامندی سے فقیر کو یہ کل چار صاع یا اسکا کوئی حصہ دیدے۔ یہ ہے اسقاط کی وہ ترکیب جو فقہاء نے بیان فرمائی ہے لیکن اس ترکیب سے اسقاط جہاں تک ہمیں علم ہے کوئی نہیں کرتا۔

ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلا ويدفعه لفقير ثم يدفعه الفقير للوارث ثم وثم حتى يتم۔ (در مختار)

یعنی اگر میت نے کچھ مال نہیں چھوڑا یا چھوڑا مگر وصیت نہیں کی یا زائد علی الثلث وصیت کی یا وصیت سے زائد فدیہ دینا چاہے تو وارث نصف صاع مثلاً قرض لیکر (یا اپنے پاس سے) کسی فقیر کو دے پھر فقیر وارث کو ہبہ کرے پھر اور پھر یہانتک کہ تمام فرائض و واجب پورے ہو جائیں۔

قوله يستقرض الخ والاقرب ان يحسب ما على الميت و يستقرض بقدره بان يقدر عن كل شهر او سنة

یعنی اقرب یہ ہے کہ میت کے ذمہ کے فرائض و واجبات کا حساب کر لیا جائے اور وارث ایک خاص تعداد فرائض کے فدیہ کی مقدار قرض لے (یا اپنے پاس سے دے) مثلاً ایک مہینہ کی نمازوں کا اتنا فدیہ ہوا یا ایک سال کا اتنا ہوا۔ پھر وہ ایک

فيستقرض قيمتها ويدفعها للفقير ثم يستوهبها منه ويتسلمها منه لتتم الهبة ثم يدفعها لذلك الفقير او لفقير اخر وهكذا فيسقط في كل مرة كفارة سنة وبعد ذلك يعيد الدور لكفارة الصيام ثم للاضحية ثم للايمان لكن لا بد في كفارة الايمان من عشرة مساكين انتهى مختصرا

مہینہ یا ایک سال کی نمازوں کے بدلے میں فقیر کو دے اور پھر فقیر سے اپنے لیے ہبہ کرا کے قبضہ کرے تاکہ ہبہ پورا ہو جائے۔ پھر اسی فقیر کو یا کسی دوسرے فقیر کو دے۔ اور اسی طرح کرتا ہے تو ہر دفعہ میں ایک مہینہ یا ایک سال کی نمازیں ساقط ہونگی یا فدیہ نمازیں پوری ہو جائیں تو اسکے بعد روزوں کا کفارہ پھر قربانیوں کا پھر قسم کا دیا جائے۔ لیکن قسموں کے کفارہ میں ضروری ہے کہ ہر قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو دیا جائے +

لیکن یہ بھی واضح رہے کہ عبارت مذکورہ سے صراحۃً معلوم ہو گیا کہ یہ فعل اسقاط افضل وہ وارث کے ذمے واجب و ضروری نہیں بلکہ محض تبرع ہے اور ابراء ذمہ میت کے لئے ایک حیلہ ہے۔ اگر اسے ضروری سمجھا جائے یا سنت سمجھا جائے تو ناجائز اور بدعت ہو جائیگا جیسا کہ رسم نمبر ہو کے بیان میں علامہ طحطاوی کی عبارت سے صراحۃً معلوم ہو چکا ہے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ بصورت عدم وصیت میت کے ترکہ میں سے جبتک کہ تمام ورثہ بالغ اور حاضر نہوں کوئی مقدار اسقاط میں نہ دیجائے اور ثلث تک کی وصیت میں فما زاد علی الثلث اور ثلث سے کم کی وصیت میں زائد علی الوصیت بدون رضا تمام ورثہ کے اسقاط میں کوئی مقدار نہ دیجائے اگر کوئی دیگا وہ خود ضامن ہوگا۔ **الحاصل** اس تمام بیان سے ثابت ہو گیا کہ اسقاط کا یہ طریقہ جو رسم نمبر ۵ میں بیان کیا گیا ہے کہ ساڑھے باون سیر گیہوں اور ایک قرآن مجید تمام فرائض و واجبات کے فدیہ میں دیتے ہیں بے اصل اور ناجائز ہے۔ بے اصل ہونا تو اسلئے کہ اس خاص مقدار کے تمام فرائض واجبات کی طرف سے کافی ہو جانیکی کوئی دلیل نہیں۔ اور ناجائز ہونا اسلئے کہ اسمیں ساڑھے باون سیر کی تعیین بدعت ہے۔ نیز قرآن مجید کی کوئی قیمت متعین نہیں

تنبیہ - یہ رسم بعض مقامات میں اسطرح ادا کیجاتی ہے کہ صرف ایک قرآن مجید فقیر کو یہ کہکر دیتے ہیں کہ قرآن مجید چونکہ خدا کا کلام ہے اسلئے اسکی کوئی قیمت نہیں اور بوجہ بے قیمت ہونے کے تمام نمازوں اور روزوں اور دیگر واجبات کا جسقدر کفارہ میت کے ذمہ ہو اس کے بدلے میں ہم یہ قرآن دیتے ہیں اور فقیر قبول کر لیتا ہے۔ یہ طریقہ بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ یہی حضرات جو فدیہ میں قرآن شریف کو بے قیمت بتلاتے ہیں جب یہ کہیں اسکے خریدنے جاتے ہیں تو بجائے روپیہ کے بارہ آنہ اور بجائے ۱۲ آنہ کے دس آنہ کو جھگڑ جھگڑ کے خریدتے ہیں۔ خریدنے وقت اس کا بے قیمت ہونا بھول جاتے ہیں۔ اور یہ تو تقریباً محال ہے کہ وہ کاغذ اگر اسکی قیمت ایک روپیہ بتائے تو یہ بنظر قدرشناسی قرآن مجید اسکو دو روپیہ خود دیدیں بہرحال یہ قرآن مجید جو کاغذ پر لکھا یا چھپا ہوا ہے شرعاً مال متقوم ہے اور کفارات و معاوضات میں اسکی اصل قیمت کا اعتبار ہوگا۔ اور اسلئے وہ صرف اتنی نمازوں کا فدیہ ہو سکیگا جتنی نمازوں کے فدیہ تک اسکی قیمت پہنچے گی + دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بعض مقامات میں لوگ کچھ غلہ فقیر کو یہ کہکر دیتے ہیں کہ میت کے ذمے جو کچھ گناہ تھے وہ ہم نے اپنے اوپر لیئے۔ اور جاہل فقیر کہتا ہے۔ لیئے۔ اور وہ غلہ اسکو دیدیا جاتا ہے +

یہ صورت تمام صورتوں سے بدتر ہے۔ اور اسمیں ڈر ہے کہ دینے والوں اور لینے والوں کا ایمان بھی جاتا رہے۔ دینے والوں کا اس لیئے کہ انہوں نے صریح طور پر آیہ قرآنی ”وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ“ اور ”وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ“ کے خلاف یہ عقیدہ جمایا کہ میت کے گناہوں کے بدلے میں یہ چند پیسوں یا روپیوں کا غلہ فدیہ بن گیا۔ اور یہ کہ گناہوں کا مواخذہ اصل مجرم سے ہٹا کر کسی دوسرے کے ذمے بھی ڈالا جا سکتا ہے۔ اور یہ دونوں باطل اور قطعاً باطل ہیں۔ اور لینے والے جاہل کا ایمان بھی انہیں وجوہ سے معرض خطر میں آگیا۔ نیز اسلیئے کہ اسنے خدا کے عذاب کو ہلکا سمجھا۔ اور اسکو اپنے سر پر لینے کی جرأت کی۔ نعوذ باللہ من ھذہ الجہالات +

رسم نمبر ۶ میت کے مکان پر اسکے مرنے کے بعد کچھ دنوں تک بھاری جلسہ رہتا ہے۔ لوگ آتے۔ بیٹھتے۔ کھاتے۔ پیتے اور حقہ پینے اور گپ شپ اڑانے بیان کا شغل رہتا ہے۔ سات آٹھ روز تو اس طرح گزرتے ہیں اسکے بعد ایک بڑا جلسہ ہوتا ہے جسکو ختم کا جلسہ کہتے ہیں اسمیں کچھ لوگ تو ختم پڑھتے ہیں۔ مگر امیر غریب ہر قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ مٹھائی تقسیم ہوتی ہے۔ گویا ایک شادی کا مجمع ہے

بسا اوقات یہ تمام مصارف ترکہ میں سے ادا کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ بعض وارث چھوٹے بچے یا غیر حاضر بھی ہوتے ہیں نیز کھانے والے اور مٹھائی لینے والے اُمراء بھی ہوتے ہیں ⁂

حکم شرعی

اس رسم میں کئی باتیں ہیں۔ اوّل اہل میت کا اپنے مکان پر اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لیے آئیں۔ دوسرے لوگوں کا اہل میت کے مکان پر جمع ہونا۔ تیسرے اہل میت کا آنے والوں کو پان۔ چائے۔ چرٹ کھانا وغیرہ کھلانا یا مٹھائی تقسیم کرنا۔ چوتھے ساتھ آٹھ روز کے بعد ختم کا جلسہ کرنا۔ اور اسمیں امیروں اور غریبوں سب کو کھانا کھلانا۔ یا مٹھائی تقسیم کرنا۔ پانچویں ترکہ میں سے یہ سب مصارف کرنا ⁂

اِن سب کا حکم جدا جدا بیان کیا جاتا ہے:۔

(۱) اہل میت کی تعزیت کرنا مستحسن ہے۔ جس کا بہتر وقت دفن کے بعد وہی روز دفن یا اگر رات کو دفن کیا جائے تو اسکے بعد کا دن ہے اور اسکے بعد تین دن تک کی اجازت ہے۔ اور اہل میت کا اپنے مکان پر اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کیلیے آئیں۔ یہ بھی صرف تین دن تک جائز ہے۔ مگر بہتر یہی ہے کہ نہ بیٹھے۔ اور اکثر متاخرین اس سے بھی منع کرتے ہیں۔ اور تین دن سے زیادہ بیٹھنا باتفاق فقہاء مکروہ ہے مگر جو شخص سفر سے آیا ہو وہ اس کراہت سے مستثنےٰ ہے کہ اُسے تین دن کے بعد بھی تعزیت کرنا جائز ہے۔ اور گھر کے باہر دروازے پر نکلکر بیٹھنا باتفاق مکروہ ہے۔ اور جو شخص ایک مرتبہ تعزیت کر گئے اُسکو دوبارہ جانا مکروہ ہے ⁂

لا باس بتعزية اهله وترغيبهم في الصبر وباتخاذ طعام لهم وبالجلوس لها في غير مسجد ثلاثة ايام واولها افضل وتكره بعدها الا لغائب وتكره التعزية ثانيا وعند القبر وعند باب الدار ويقول اعظم الله اجرك واحسن عزاءك وغفر لميتك اھ

(درمختار)

یعنی اہل میت کی تعزیت کرنے میں مضائقہ نہیں۔ اور اُنکو صبر کی ترغیب دینے میں اور اُنکے لیے کھانا بھیجنے میں اور بغرض تعزیت مسجد کے علاوہ کسی مکان میں بیٹھنے میں تین دن تک مضائقہ نہیں۔ تعزیت کے لیے پہلا دن افضل ہے۔ اور تین دن کے بعد تعزیت مکروہ ہے مگر اُنکے لیے جو سفر سے آیا ہو۔ اور دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے۔ اور گھر کے دروازے پر بیٹھنا بھی مکروہ ہے۔ تعزیت میں یہ الفاظ کہے "خدا تمہیں اجر عظیم دے اور صبر حسن کی توفیق عطا فرمائے اور تمہاری میت کو بخشدے" ⁂

وفي خزانة الفتاوى والجلوس للمصيبة ثلاثة ايام رخصة وتركه احسن كذا في معراج الدراية ⁂ (عالمگیری)

خزانۃ الفتاوےٰ میں ہے کہ بوقت مصیبت تین دن تک بیٹھنے کی رخصت تو ہے مگر اُسکا ترک بہت بہتر ہے ⁂

(۲ و ۳) یعنی لوگوں کا اہل میت کے مکان پر جمع ہونا۔ اور اہل میت کا اُنھیں پان۔ چائے۔ چرٹ۔ مٹھائی تقسیم کرنا یا کھانا کھلانا۔ یہ باتیں بھی مکروہ ہیں۔ اگرچہ تعزیت کے لیے تین دن تک لوگوں کو جانا جائز ہے۔ اور اتفاقی طور پر دو چار آدمی جمع ہو جائیں تو مضائقہ نہیں۔ لیکن قصداً جمع ہونا اور اجتماع کی شکل قصداً پیدا کرنا مکروہ ہے۔ اور میت کا لوگوں کو کچھ کھلانا یا کچھ تقسیم کرنا یہ سب مکروہ ہے ⁂

في الامداد وقال كثير من متاخري ائمتنا يكره الاجتماع عند صاحب البيت

امداد میں ہے کہ ہمارے ائمہ حنفیہ میں بہت سے متاخرین نے فرمایا ہے کہ اہل میت کے مکان پر لوگوں کا اجتماع مکروہ ہے

ویکره له الجلوس فی بیته حتی یاتی الیه من یعزی بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشتغل الناس بامورهم وصاحب البیت بامره انتهی۔ (رد المحتار شامی)

اور اہل میت کو گھر میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ آئیں اور تعزیت کریں یہ بھی مکروہ ہے۔ بلکہ جب دفن سے فارغ ہوکر واپس آئیں تو چاہیئے کہ سب متفرق ہوجائیں۔ لوگ اپنے اپنے کام میں لگ جائیں اور اہل میت اپنے کام میں ۔

یکره اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور ولا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة روی الامام احمد وابن ماجة باسناد صحیح عن جریر بن عبد الله قال کنا نعد الاجتماع الی اهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة ۔

(رد المحتار نقلا عن فتح القدیر)

یعنی اہل میت کا لوگوں کے لیئے کھانے کی دعوت تیار کرنا (جس میں پان۔ چائے۔ مٹھائی بھی داخل ہے) مکروہ ہے۔ کیونکہ دعوت خوشی میں مشروع ہے نہ غمی میں۔ اور یہ قبیح بدعت ہے۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے بسند صحیح جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم (یعنی صحابہ کرام) اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور اہل میت کے کھانا کرنے کو نیاحۃ میں داخل سمجھتے تھے ۔

نیاحۃ کے معنی یہ ہیں کہ جاہلیت میں میت کا ماتم کرنے کے لیئے عورتیں جمع ہوکر روتی تھیں۔ اور میت کے اوصاف بیان کرتی تھیں۔ شریعت نے نیاحۃ سے منع فرمایا اور اُسے حرام قرار دیا ہے۔ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اِس اجتماع اور میت کی طرف سے کھانا کرنے کو بھی اُسی نیاحۃ ممنوعہ میں داخل سمجھتے تھے یعنی جیسے نیاحۃ ممنوع ہے یہ بھی ممنوع ہے ۔

(۴ و ۵) یعنی سات آٹھ روز کے بعد ختم کا جلسہ کرنا۔ اور ترکہ میں سے یہ مصارف کرنا ۔

رسم نمبر ۳ کے بیان میں ہم فتاوے بزازیہ کی عبارت نقل کرچکے ہیں۔ جس میں تصریح ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والے کے لیے دعوت تیار کرنا اور قراء وصلحاء کو جمع کرنا اور اُنسے ختم پڑھواکر اُنہیں کھانا کھلانا مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ قرأت قرآن وختم پر کھانا کھلانا گویا قرأت کی اُجرت ہے ۔

دون ما ابتدع فی زماننا من مهللین وقراء ومغنین وطعام ثلثة ایام ونحو ذلک ومن فعل ذلک بدون رضا بقیة الورثة البالغین یضمنه فی ماله ۔

(رد المحتار)

یعنی تجہیز وتکفین کے مصارف میں یہ داخل نہیں ہے جو ہمارے زمانے میں بطور بدعت اختیار کیا گیا ہے کہ کلمہ طیبہ یا قرآن پڑھنے والے یا نعت گانے والے جمع کیئے جاتے ہیں۔ یا تین دن تک کھانا کیا جاتا ہے۔ اور اسی جیسے اور افعال بھی۔ اور جو ان کاموں میں بغیر رضامندی باقی ورثہ بالغین کے خرچ کرے گا وہ خود ضامن ہوگا ۔

وبه ظهر حال وصایا اهل زماننا فان الواحد منهم یکون فی ذمته صلوات کثیرة وغیرها من زکوة واضاح وایمان ویوصی لذلک بدراهم یسیرة ویجعل معظم وصیته

اور اس سے ظاہر ہوگیا ہمارے زمانے کے لوگوں کی وصیتوں کا حال کہ بعض لوگ باوجودیکہ اُن کے ذمے بہت سی نمازیں اور زکوۃ اور قربانیاں اور قسمیں ہوتی ہیں۔ مگر وہ تھوڑے سے دراہم کی (فدیہ کے لیے) وصیت کرتے ہیں۔ اور اپنی وصیت کا

لقراءة الختمات والتهاليل التي نص علماؤنا على عدم صحة الوصية بها وان القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز وان الاخذ والمعطي آثمان لان ذلك يشبه الاستئجار على القراءة ونفس الاستئجار عليها لا يجوز فكذا ما اشبهه كما صرح بذلك في عدة كتب من مشاهير كتب المذهب اهـ

(رد المحتار)

بڑا حصہ کلمہ طیبہ اور قرآن مجید کے ختموں کے لیے خاص کرتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ ان ختموں کی وصیت صحیح نہیں۔ اور یہ کہ کسی دنیاوی غرض سے قرارت جائز نہیں اور دینے والے اور لینے والے دونوں گنہگار ہیں کیونکہ دینا اور کھانا کھلانا اُجرت کے مشابہ ہے اور قرأت کی اُجرت لینا دینا جائز نہیں۔ اسی طرح وہ چیز جو اُجرت سے شابہت رکھتی ہو۔ اور ہمارے مذہب کی مشہور کتابوں میں سے بہت سی کتابوں میں اسکی تصریح کی گئی ہے (رد المحتار)

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہو گیا کہ کلمہ طیبہ یا قرآن مجید کا ختم کرانیکے لیے اجتماع کرنا اور پڑھنے والوں کو کھانا کھلانا مکروہ اور بدعت ہے۔

نیز چونکہ اس قسم کے کھانے میں غریب امیر سب شامل ہوتے ہیں۔ اسلیئے صاف ظاہر ہے کہ اس کھانے سے مقصود صدقہ اور خیرات نہیں ہے۔ ورنہ امراء کو صدقہ کھلانیکے کیا معنی۔ اور جب صدقہ مقصود نہوا تو ظاہر ہے کہ یہ کھانا کھلانا۔ اور جلسے کرنا محض ناموری اور شہرت اور ریاء کی وجہ سے ہوتا ہے اور اسکا مکروہ اور بدعت ہونا پہلے ثابت ہو چکا ہے۔

اور یہ کہنا کہ امراء کی دعوت بطور ہدیہ کے ہوتی ہے۔ اور فقراء کی بطور صدقہ کے صحیح نہیں کیونکہ کھانا کرنے والوں کو اس تفریق کا خیال نہیں ہوتا۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تاہم بقول علامہ ابن ہمام کے چونکہ یہ دعوت غمی کی ہے اس لیے غیر مشروع اور بدعت ہے۔

اور رد المحتار شامی کی عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ترکہ مشترکہ میں سے بغیر رضاء جمیع ورثہ یہ مصارف ادا کرنا بالخصوص جبکہ کوئی وارث نابالغ یا غائب ہو ناجائز ہے۔ اور جو کرے گا وہ خود ضامن ہو گا۔

رسم نمبر ۷

لوگ جنازے کے ساتھ تو جاتے ہیں مگر جب نماز ہوتی ہے تو بہت سے اشخاص نماز میں شریک نہیں ہوتے۔ اور کہتے ہیں کہ جنازے کی نماز فرض کفایہ ہی تو ہے اور جب کچھ لوگوں نے پڑھ لی تو سب کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

حکم شرعی

بے شک جنازے کی نماز فرض کفایہ ہے۔ اور کچھ لوگوں کے پڑھ لینے سے اور مسلمانوں کا فرض ساقط ہو جاتا ہے لیکن اس خیال سے نماز سے علیحدہ رہنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اُنکے ذمہ اپنے مُردہ بھائی کے حقوق میں سے اُسکے جنازے کی نماز پڑھنے کا حق بھی تھا۔ اور نماز جنازہ میں کثرت نمازیوں کی مستحسن ہے۔ اگر محض فرض ساقط ہو جانے کا خیال ہو تو پھر اُسکے ساتھ جانے اور دفن کرنے کا فرض بھی تو اُنکے ذمہ سے اس وجہ سے ساقط ہو گیا کہ اوروں نے جنازہ لیجا کر دفن کر دیا۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جنازے کے ساتھ جائے اور اسکی نماز پڑھے اور پھر دفن تک اسکے ساتھ رہے اسکو دو قیراط ثواب ملیگا اور جو صرف نماز پڑھکر لوٹ آئے اسکو ایک قیراط ثواب ملیگا۔ پس جنازے کے ساتھ جا کر نماز میں شریک نہونا اور جماعت سے علیحدہ رہنا ایک غیر مستحسن امر اور شان اسلام سے بعید ہے۔ واللہ اعلم۔

کتبہ العبد العاجز الاواہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ۔ ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۵ھ

خَیْرُ الصِّلَاتِ

فی حکم

الدُّعَاءِ لِلْاَمْوَاتِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال

کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ یہاں مدت سے یہ رسم ورواج ہے کہ کفنانے کے بعد میت کو جنازے میں رکھ کر جمع ہوکر اہتمام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ پھر نماز جنازہ سے فارغ ہونیکے بعد جنازہ اُٹھانے سے پہلے سب لوگوں کو روک کر امام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ پھر علاوہ اس دعا کے جو بعد دفن متصل پڑھی جاتی ہے۔ اُس وقت بھی لوگوں کو روک کر فاتحہ ہوتی ہے جب واپسی میں قبرستان کے دروازہ پر پہنچتے ہیں بعض جگہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ جب غسل کے لئے میت کو رکھتے ہیں۔ تب بھی جمع ہو کر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اور دروازہ قبرستان پر فاتحہ پڑھنے کے بعد مکان پر بھی رسم فاتحہ بجا لاتے ہیں۔ یعنی اول تین موقعوں پر فاتحہ پڑھنے کا عام رواج ہے۔ اور پچھلے دو موقعوں پر فاتحہ پڑھنے کا عام رواج نہیں ہے یعنی کہیں ہے اور کہیں نہیں۔ لیکن اب ایک عالم صاحب یہاں تشریف لائے اُن سے دریافت کیا گیا۔ تو وہ یہ فرماتے ہیں۔ کہ ان مختلف اوقات میں اس کیفیت کے ساتھ فاتحہ پڑھنا بدعت خلاف سنت ہے بالخصوص جبکہ تارک کو قابل ملامت بھی سمجھتے ہیں۔ اور دلیل یہ بتلاتے ہیں۔ کہ حسب تصریح علامہ شامی وغیرہ صلوٰۃ جنازہ خود دعا ہے چنانچہ رد المحتار جلد اول صفحہ ۶۴۱ میں تحریر ہے۔ فقد صرحوا عن اٰخرھم بان صلوٰۃ الجنازۃ ھی الدعاء للمیت اذ ھو المقصود منہا انتہی۔ اور فاضل اجل علامہ ملا علی قاری کی حنفی رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ کے باب الجنائز میں تحت حدیث مالک ابن ہبیرہ تحریر فرماتے ہیں۔ ولا یدعی للمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ۔ اور بعض کتب میں محیط سے نقل کیا ہے لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ اور کبیری سے منقول ہے فی السراجیۃ اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم بالدعاء۔ اور یوں کہتے ہیں کہ بعد دفن متصل قبر پر دعا مانگنا کتب احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور باقی ادعیہ مروجہ کا ثبوت کتب احادیث وفقہ واقوال محققین علماء سے ثابت نہیں ہیں۔ ارشاد ہو کہ ان عالم صاحب کا فرمانا صحیح ہے یا نہیں اور خدا اور رسول کے حکم کے موافق میت کے مرنے کیوقت سے بعد دفن مکان پر واپسی تک جمع ہوکر کن کن موقعوں پر شرع شریف میں دعا مانگنے کا ثبوت ہے یا یہ کہ ہر شخص علاوہ نماز جنازہ کے بے التزام مالا یلزم اور بلا اہتمام وبلا اجتماع اپنی خوشی سے جب چاہے میت کیواسطے دعائے خیر کیا کرے۔ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔ المستفتی حاجی داؤد ہاشم یوسف مرچنٹ اسٹریٹ نمبر ۲۸ شہر رنگون

الجواب

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیدنا و مولانا محمد و الہ واصحابہ اجمعین

اما بعد واضح ہو کہ اموات مسلمین کے لئے نفس دعائے مغفرت اور ایصال ثواب بالاتفاق مستحسن اور محبوب ہے۔ ہر شخص کو شرعاً یہ اجازت ہو کہ جب چاہے اور جس قدر چاہے میت کے لئے دعائے مغفرت کرے یا کسی بدنی یا مالی عبادت کا ثواب پہنچائے +

اموات مسلمین کو اُن کے زندہ اقارب و احباب کی جانب سے دعا کا فائدہ اور عبادت بدنیہ و مالیہ کا ثواب پہنچتا ہے اور وہ دعا اور ایصال ثواب کے منتظر رہتے ہیں۔ اور جب کوئی شخص ان کے لئے دعا کرتا ہے یا کوئی ثواب انہیں پہنچاتا ہے۔ تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ اور پھر دعا کرنے والا یا ثواب پہنچانیوالا بھی اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ لیکن یہ اختیار کسی شخص کو حاصل نہیں کہ وہ دعا اور ایصال ثواب کیلئے اپنی جانب سے کوئی خاص وقت یا خاص خاص صورتیں معین کرے۔ اور پھر انہیں ضروری بھی سمجھے۔ شریعت مقدسہ نے جن خاص اوقات میں یا خاص صورتوں سے دعا کرنے یا ثواب پہنچانے کی تعلیم فرمائی ہے اس سے زیادہ کسی کو تعیین و تخصیص کا حق نہیں ہے اور یہ بات واقفین حدیث و فقہ پر روز روشن کی طرح روشن ہے۔ سوال میں پانچ موقعے ذکر کر کے ان کے متعلق دریافت کیا گیا ہی میں ہر موقعہ کو جدا جدا ذکر کر کے اس کا جواب عرض کرتا ہوں +

پہلا موقعہ یہاں مدت سے رسم و رواج ہے۔ کہ کفنانے کے بعد میت کو جنازے میں رکھ کر اہتمام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں انتہی۔ واضح ہو کہ شریعت مقدسہ نے میت کے لئے بصورت اجتماع و اہتمام دعا کرنے کا طریقہ مقرر فرمایا ہوا ہے اور وہ نماز جنازہ ہے۔ کہ اس کا مقصود اہم یہی ہو کہ میت کے لئے دعائے مغفرت کی جائے اور سب مسلمان جمع ہو کر خدا کی بارگاہ میں اپنے مردہ بھائی کی بخشش کی درخواست کریں۔ جیسا کہ تصریحات فقہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے +

حقیقتہا الدعاء والمقصود منہا (بحر عن الفتح)	نماز جنازے کی حقیقت دعا ہی اور دعا ہی نماز جنازہ سے مقصود ہے
فقد صرحوا عن آخرہم بان صلوٰۃ الجنازۃ ہی الدعاء للمیت اذ ہو المقصود منہا انتہی (رد المحتار)	یعنی تمام فقہائے تصریح کی ہو کہ نماز جنازہ میت کے لئے دعا ہی ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ سے مقصود صرف دعا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ نماز جنازہ من کل الوجوہ دعا ہے۔ اور نماز ہونیکی اس میں کوئی جہت نہیں ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس نماز میں بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں۔ جو نماز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسے طہارت شرط ہونا استقبال قبلہ ضروری ہونا وغیرہ اور اسی وجہ سے اس پر نماز کا اطلاق کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا مقصود اصلی اور جہت راجحہ یہی ہے۔ کہ میت کے لئے استغفار اور دعا کی جائے۔ یا یوں کہو کہ شریعت مقدسہ نے میت کیلئے دعا اور استغفار کرنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ اسکے لئے طہارت استقبال قبلہ وغیرہ جو نماز کے خواص تھے لازم کر دئے اور تمام مسلمانوں کو جمع ہو کر دعا کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کیونکہ اس میں مقبولیت دعا کی امید زیادہ تھی پس نماز جنازہ اگرچہ من وجہ نماز بھی ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ اس کی راجح جہت دعا ہونے کی ہی ہے +

مگر نماز جنازہ سے پہلے دعا یا ایصال ثواب کے لئے اجتماع و اہتمام کرنا شریعت سے ثابت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اصحاب کرام یا ائمہ عظام کسی سے منقول و ثابت نہیں کہ نماز جنازہ سے پہلے ہیئت اجتماعیہ میت کے لئے دعا کی ہو یا کرنے کی ہدایت فرمائی ہو۔ پس نماز جنازہ سے پہلے اگر لوگ فرداً فرداً دعا کریں۔ یا ایصال ثواب کریں تو جائز ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں مگر دعا یا ایصال ثواب کے لئے اجتماع و اہتمام کرنا اور پھر اسے ضروری سمجھنا اور نہ کرنے والے کو برا بھلا کہنا یہ مکروہ و بدعت ہے اگر کوئی اس کے جواز کا دعوےٰ کرے۔ اسکے ذمے لازم ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا اصحاب کرام یا مجتہدین عظام سے یہ اجتماع و اہتمام ثابت کرے۔

اگر یہ شبہ ہو کہ جب فرداً فرداً دعا جائز ہے۔ اور عمومات آیات و احادیث بکثرت موجود ہیں۔ جو ہر شخص کو ہدایت کرتی ہیں کہ اموات کے لئے دعا کرتے رہیں۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ کہ ان حضرات نے نماز جنازہ سے پہلے میت کے لئے دعا فرمائی ہے تو پھر اس کے لئے اجتماع و اہتمام کرنے میں کیا خرابی ہے۔ یوں سمجھو کہ ہر شخص کو جب دعا کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ تو اگر تمام لوگ اپنے اپنے اختیار کو ایک وقت میں استعمال کریں۔ تو یہ ناجائز کیوں ہو جائیگا۔

تو جواب یہ ہے۔ کہ کسی چیز کا فرداً فرداً جائز ہونا اور چیز ہے۔ اور اس سے لازم نہیں کہ اس کے لئے اجتماع و اہتمام بھی جائز ہو نوافل ہر شخص کے لئے اوقات مکروہہ کے سوا ہر وقت جائز ہیں۔ لیکن نوافل کے لئے اجتماع و اہتمام کرنا اور تداعی سے ادا کرنا مکروہ ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے۔ کہ اگر تمام لوگ اپنے اس اختیار اور اجازت کو جو شریعت کی جانب سے انہیں دعا کرنے کے متعلق حاصل ہے۔ اتفاقیہ طور پر ایک وقت میں استعمال کریں۔ اور اجتماع و اہتمام کا قصد نہ کریں۔ تو اس میں مضائقہ نہیں لیکن سوال میں یہ صورت نہیں ہے بلکہ تمام لوگ قصداً دعا کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اور جمع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور جو شریک نہ ہو اسے برا بھلا کہتے ہیں۔ تو اس مجموعہ کے مکروہ اور بدعت ہونے میں کیا شبہ ہے۔ کتب فقہ میں بکثرت اسکی مثالیں موجود ہیں۔ کتب احادیث میں بھی اس کے نظائر بکثرت وارد ہیں۔ ہم صرف مثال کے طور پر چند نصوص حدیثیہ و فقہیہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ عیدین کی راتیں اور شعبان کی پندرہویں رات اور رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ کی راتیں اور عشرہ اولیٰ ذی الحجہ کی راتیں بہت افضل اور متبرک راتیں ہیں۔ ان راتوں میں نماز پڑھنا اور ذکر الٰہی میں مشغول رہنا بہت ثواب کا کام ہے۔ مگر فقہاء نے یہ قید لگادی کہ نماز تنہا تنہا پڑھی جائے۔ (مگر رمضان میں تراویح کی نماز مستثنیٰ ہے) اس پر علامہ شامی امداد کی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

اشار بقوله فرادى الى ما ذكره بعد فى متنه من قوله ويكره الاجتماع على احياء ليلة من هذه الليالى فى المساجد وتمامه فى شرحه وصرح بكراهة ذلك فى الحاوى القدسى قال وما روى من الصلوٰة فى هذه الاوقات يصلى فرادى غير التراويح قال فى البحر ومن هنا يعلم كراهة الاجتماع على صلوٰة الرغائب التى تفعل فى رجب فى اول جمعة منه وانها بدعة وما يحتاله اهل الروم

ماتن نے اپنے اس قول سے کہ تنہا تنہا پڑھیں اس طرف اشارہ کیا جو خود آگے ذکر کیا ہے۔ کہ ان متبرک راتوں میں سے کسی رات میں جاگنے کے لئے مسجدوں میں اجتماع کرنا مکروہ ہے۔ اور پوری عبارت شرح میں ہے۔ اور اجتماع کی کراہت کی تصریح حاوی قدسی میں بھی ہے۔ اور کہا کہ جو نمازیں ان راتوں میں مروی ہیں۔ وہ تنہا تنہا پڑھی جائیں سوائے تراویح کے۔ بحر میں کہا کہ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ صلوٰۃ رغائب کے لئے اجتماع بھی مکروہ ہے یہ نماز رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں پڑھی جاتی ہے۔ اور یہ نماز بدعت ہے اور روم کے

من نذرها لتخرج عن النفل والكراهة فباطل
قلت وصرح بذلك في البزازية
(رد المحتار)

لوگ جو یہ حیلہ کرتے ہیں۔ کہ اسکی نذر کر لیتے ہیں۔ تاکہ نفل ہونے اور مکروہ ہونے سے نکل جائے۔ تو یہ حیلہ باطل ہے۔ انتہٰی۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ بزازیہ میں بھی اسکی کراہت کی تصریح ہے۔

دیکھو فقہاء نے خود پہلے یہ ذکر کیا۔ کہ مذکورہ بالا راتوں میں نماز پڑھنا قرآن شریف کی تلاوت کرنا ذکر الٰہی میں مشغول ہونا مستحب ہے اور اکیلے اکیلے ہر شخص کو شریعت کی جانب سے افعال مذکورہ ادا کرنے کی اجازت ہے۔ پھر یہ تصریح کر دی۔ کہ ان راتوں میں مسجدوں میں اجتماعی صورت سے افعال مذکورہ ادا کرنا مکروہ و بدعت ہے۔ اور پھر صاحب بحر و فتاوی بزازیہ وغیرہم نے تصریح کر دی۔ کہ صلوٰۃ رغائب جو رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں پڑھی جاتی ہے۔ وہ بھی مکروہ و بدعت ہے۔ کیونکہ اس میں دو باتیں ناجائز ہیں۔ اول تو رجب کے پہلے جمعہ کی تخصیص جو شریعت سے ثابت نہیں۔ دوسرے اس کے لئے اہتمام و اجتماع کرنا جو نوافل کے لئے مکروہ ہے۔ پس باوجود نماز کے افضل الاعمال ہونیکے ان دو باتوں نے اُسے مکروہ و بدعت کر دیا۔

عن مجاهد قال دخلت انا وعروة بن الزبير المسجد فاذا عبد الله بن عمر جالس الى حجرة عائشة و اذا ناس يصلون في المسجد صلوة الضحى قال فسألناه عن صلاتهم فقال بدعة الحديث
(بخاری صفحہ ۲۳ جلد اول)

مجاہد فرماتے ہیں کہ میں اور عروہ بن زبیر مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عائشہ کے حجرے کی طرف بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور لوگ مسجد میں چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو ہم نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے اس نماز کا حکم دریافت کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ بدعت ہے۔

چاشت کی نماز خود آنحضرت صلعم نے پڑھی اور اسکی فضیلت بیان فرمائی۔ اور پڑھنے کی ترغیب دلائی ہے۔ جیسا کہ احادیث ذیل سے ثابت ہے۔

عن معاذة قالت سألت عائشة كم كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي صلوة الضحى قالت اربع ركعات ويزيد ما شاء الله رواه مسلم
(مشکوٰۃ)

معاذہ رضہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے فرمایا کہ چار رکعتیں۔ اور خدا کو منظور ہوتا تو اس سے زیادہ بھی پڑھ لیتے۔

عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حافظ على شفعة الضحى غفرت له ذنوبه وان كانت مثل زبد البحر (رواه احمد والترمذي وابن ماجة مشكوٰة)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نماز چاشت پر محافظت کی اسکے گناہ (صغیرہ) معاف کر دئے جائیں گے۔ اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

اور اگر یہ بھی مان لیا جائے۔ کہ حضرت ابن عمرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز چاشت پڑھنا یا اسکی فضیلت بیان فرمانا معلوم نہ تھا۔ تاہم اتنی بات تو یقینی ہے۔ کہ وہ ایک نماز تھی۔ اور نماز افضل الاعمال اور خیر موضوع ہے۔ اور وقت بھی کوئی مکروہ وقت نہ تھا۔ پھر انہوں نے اسے بدعت کیوں فرمایا۔

اس کا صاف اور واضح جواب ان عبارتوں سے معلوم کیجئے۔

قال عياض وغيره انما انكر ابن عمرؓ ملازمتها و اظهارها في المساجد لا انها مخالفة للسنة و يؤيده ما

قاضی عیاض رحمہ وغیرہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عمرؓ نے صرف اس نماز کے التزام اور مساجد میں ظاہر طور سے پڑھنے کا انکار فرمایا۔ اور اُسے

رواه ابن ابی شیبة عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انه رائی قوما یصلونها فانکر علیهم وقال ان کان ولا بد ففی بیوتکم

فتح الباری مصری جلد ثالث صہ ۴۳

بدعت کہا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نفس نماز سنت کے خلاف ہے اور اسکی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔ جو حافظ ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے ایک گروہ کو یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو منع کیا اور فرمایا۔ کہ اگر تمہیں پڑھنی ہی ہو تو اپنے گھروں میں پڑھو۔

وقیل اراد ان اظهارها فی المسجد والاجتماع لها هو البدعة لا ان نفس تلک الصلوٰة بدعة وهو الاوجه (عینی) کذا فی هامش الصحیح

اور بعضوں نے کہا کہ حضرت ابن عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ اس نماز کو مسجد میں ظاہر کر کے پڑھنا اور اس کے لئے اجتماع کرنا بدعت ہے یہ مقصود نہ تھا۔ کہ نفس یہ نماز بدعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے فتوے اور حافظ ابن حجرؒ علامہ عینیؒ قاضی عیاضؒ کے اقوال سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو گئی کہ نماز چاشت کے لئے بھی اجتماع و اہتمام بدعت و مکروہ ہے۔ کیوں صرف اسلئے کہ شریعت سے اس نماز کے واسطے اجتماع و اہتمام ثابت نہیں۔ اور نفس نماز کے ثبوت یا اسکی فضیلت و ترغیب کی روایات سے یہ لازم نہیں کہ اس کے لئے اجتماع و اہتمام بھی جائز ہو جائے۔

اسی طرح اموات مسلمین کے لئے نفس دعا کا ثابت ہونا یا مستحسن ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ اسکے لئے اجتماع و اہتمام بھی جائز ہو جائے۔ جو لوگ کہ عمومات استحباب دعا سے اجتماع و اہتمام کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ ان کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ فتوے اور فقہائے حنفیہ کے ارشادات صریحہ ہمارے پاس موجود ہیں جو بکثرت کتب فقہیہ میں پائے جاتے ہیں۔

قراءة الکافرون الی الآخر مع الجمع مکروهة لانها بدعة لم تنقل عن الصحابة ولا عن التابعین کذا فی المحیط (فتاویٰ عالمگیری)

سورۂ کافرون سے آخر قرآن تک کی سورتیں جمع ہو کر پڑھنا (جیسا کہ مروج ہے اور اُسے ختم کہتے ہیں) مکروہ ہے کیونکہ یہ بدعت ہے صحابہ کرام اور تابعین سے منقول نہیں

سورۂ کافرون سے اخیر قرآن تک کی سورتیں پڑھنا جسے ختم کہتے ہیں۔ اگر نفس قرأت کے لحاظ سے دیکھا جائے۔ تو کون کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید کا پڑھنا مکروہ ہے یا بدعت ہے۔ لیکن ایک خاص صورت اجتماعیہ سے اہتمام کر کے پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ اور بدعت فرما دیا ہے۔ کیونکہ اس ہیئت اجتماعیہ اور اہتمام کا ثبوت نہیں۔

بلکہ اس سے زیادہ واضح نظیر صورت مسئولہ کی یہ روایت ہے جو درج ذیل ہے۔

کره ان یقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلوٰة ویدعو للمیت ویرفع صوته کذا فی الذخیرة (عالمگیری)

یہ مکروہ ہے کہ جب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ تو ایک شخص کھڑا ہو اور بلند آواز سے میت کے لئے دعا کرے۔

نفس دعا ناجائز نہیں کھڑے ہو کر دعا کرنا ممنوع نہیں۔ مگر یہ ہیئت خاصہ کہ لوگ نماز کے لئے جمع ہیں۔ اور ایک شخص کھڑا ہو کر بلند آواز سے میت کے لئے دعا کرتا ہے۔ شریعت سے ثابت نہیں۔ اس لئے فقہاء نے اسے مکروہ فرما دیا۔

ان تمام باتوں کو دیکھ کر اور سمجھ کر کسی صاحب عقل کو اس میں شبہ نہیں رہیگا۔ کہ کفنانے کے بعد اجتماع و اہتمام سے دعا کرنا اور اسے عقیدۃً لازم سمجھنا یا عملاً ضروری قرار دینا اور نہ کرنیوالے کو ملامت کرنا یقیناً بدعت اور مکروہ ہے۔

دوسرا موقعہ	پھر نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد جنازہ اُٹھانے سے پہلے سب لوگوں کو روک کر امام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں۔

نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد دعا کرنے کے متعلق کتب فقہ میں حسب ذیل روایتیں ہیں۔

قید بقوله بعد الثالثة لانه لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصة وعن الفضلی لا باس به بحر رایق ج ۲ صفحہ ۱۸۳	یعنی مصنف نے دعا کو تیسری تکبیر کے بعد کے ساتھ مقید کردیا کیونکہ سلام کے بعد دعا نہ کرے۔ جیسا خلاصہ میں ہے اور محمد بن فضیل رح سے مروی ہے کہ مضایقہ نہیں۔
ولا یدعو للمیت بعد صلوة الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلوة الجنازة انتهی مرقاة لعلی القاری	یعنی نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے۔ کیونکہ یہ دعا نماز جنازہ میں زیادتی کرنے کا شبہ پیدا کردیگی۔
اذا فرغ من الصلوة لا یقوم داعیا له (سراجیہ)	جب نماز جنازہ سے فارغ ہو تو دعا کرتا ہوا کھڑا نہ رہے
ولا یقوم داعیا له اھ جامع الرموز	یعنی نماز کے بعد کھڑا رہ کر دعا نہ کرے
ولا یقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة لانه یشبه الزیادة فیها کذا فی المحیط وعن ابی بکر بن حامد ان الدعاء بعد صلوة الجنازة مکروه وقال محمد بن فضل رح لا باس به کذا فی القنیة برجندی شرح مختصر وقایہ	نماز جنازہ کے بعد کھڑا رہ کر دعا نہ کرے۔ کیونکہ یہ دعا نماز میں زیادتی کر دینے کا شبہ پیدا کرتی ہے اور امام ابوبکر بن حامد سے مروی ہے۔ کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔ اور امام محمد بن فضل نے فرمایا کہ کچھ مضایقہ نہیں۔

منقولہ بالا عبارتوں سے یہ تین باتیں صراحۃً ثابت ہوتی ہیں

(۱) نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے یا کھڑا رہ کر دعا نہ کرے (خلاصہ۔ بحر رایق۔ مرقاۃ۔ سراجیہ۔ جامع الرموز محیط)

(۲) نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔ (قنیہ عن الامام ابی بکر بن حامد رح)

(۳) نماز جنازہ کے بعد دعا میں مضایقہ نہیں (قنیہ و بحر عن الامام محمد بن الفضل رح)

لیکن کسی معتبر کتاب میں یوں نہیں لکھا کہ نماز جنازہ کے سلام کے بعد دعا کرنا چاہئے۔ یا فلاں دعا مستحب ہے۔ صرف امام محمد بن الفضل رح سے یہ مروی ہے۔ کہ دعا کرنے میں مضایقہ نہیں۔ اور چونکہ لفظ لا باس اکثر خلاف اولیٰ میں مستعمل ہوتا ہے اس لئے ایک صاف اور واضح تطبیق تو امام محمد بن الفضل رح اور امام ابوبکر بن حامد رح کے کلام میں یہ ہو سکتی ہے کہ اول الذکر مکروہ تنزیہی اور موخر الذکر مکروہ تحریمی فرماتے ہیں۔

اور ظاہر یہی ہے کیونکہ اکثر کتب فقہ و فتاوی میں اول اصل مذہب یہی بیان کیا ہے۔ کہ دعا نہ کرے یا دعا مکروہ ہے اور کراہت مطلقہ سے اکثری طور پر تحریمی ہی مراد ہوتی ہے۔ اور امام محمد بن الفضل رح سے اس کے خلاف جو قول نقل کیا۔ اس کو لا باس سے تعبیر کیا۔ جو اصل معنے کے لحاظ سے کراہت تنزیہی یا کم از کم خلاف اولیٰ میں مستعمل ہوتا ہے۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ نفس دعا اموات مسلمین کے لئے تو ہر وقت جائز ہے۔ پھر اس وقت خاص میں دعا کے مکروہ

ایک شبہ اور اس کا جواب

ہونے کی کیا وجہ۔ تو جواب یہ ہے کہ فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا نماز جنازہ کے بعد دعا کو مکروہ فرمانا مطلقاً نہیں ہے۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہے۔ کہ اجتماع و اہتمام کے ساتھ دعا کرنا مکروہ ہے۔ اور نفس دعا کا جائز ہونا جواز اجتماع و اہتمام کو مستلزم نہیں۔ اور اسکی تفصیل یہ ہے۔ کہ میت کے وقت انتقال بلکہ اس سے بھی پہلے عیادت کے زمانہ سے اسکے لئے فرداً فرداً دعا مانگنے کا ثبوت روایات حدیثیہ و فقہیہ میں موجود ہے۔ ہر مسلمان کو اختیار ہے۔ کہ اگر وہ کسی مریض کی عیادت کو جائے۔ تو اس کے لئے دعا کرے۔ اس کے بعد جب اس کا انتقال ہو جائے۔ تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرے اس کے بعد جنازے کی نماز پڑھے۔ اس کے بعد دفن تک اور پھر اپنی زندگی تک میت کے لئے دعا کرتا رہے۔ اور قرأت قرآن مجید و دیگر عبادات بدنیہ و مالیہ کا ثواب اُسے پہنچاتا رہے۔ ان تمام حالات میں فرداً فرداً دعا کرنے یا ایصال ثواب کرنے کی کوئی ممانعت نہیں بشرطیکہ کوئی تخصیص یا قید غیر مشروع عارض نہ ہو جائے۔

اور شریعت مقدسہ نے اموات مسلمین کے لئے دفن سے پہلے اجتماع و اہتمام کے ساتھ دعا کرنے کا صرف یہ طریقہ مقرر فرمایا ہے۔ جسے صلوٰۃ جنازہ کہتے ہیں۔ پس دفن سے پہلے دعائے اجتماعی اور اہتمام کا ثبوت صرف نماز جنازے کے لئے ہے کہ وہ بھی حقیقتاً میت کے لئے دعائے مغفرت ہی کا نام ہے۔ اس کے علاوہ اور جس موقعہ پر اجتماع و اہتمام و التزام کے ساتھ دعا کی جائے۔ اُسے فقہا مکروہ و بدعت فرماتے ہیں۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کا مکروہ ہونے کا حکم بہت سی کتابوں میں مذکور ہے۔ جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا اور سب کا مطلب یہی ہے کہ اجتماع و اہتمام سے دعا کرنا مکروہ ہے۔ مگر فقہاء کے کلام میں کراہت کی وجہ مختلف عنوان سے بیان کی گئی ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری رح فرماتے ہیں۔ کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے۔ کیونکہ اس سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ پیدا ہوگا۔ اس کلام میں غور کرنے سے اچھی طرح سے واضح ہوتا ہے۔ کہ وہ دعائے اجتماعی اور اہتمام کو ہی مکروہ فرماتے اور منع کرتے ہیں۔ کیونکہ نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ اسی میں پیدا ہو سکتا ہے۔

اگر لوگ نماز جنازہ کے بعد جمع ہو کر اور اہتمام کر کے دعا نہ کریں۔ بلکہ صفیں توڑ کر علیحدہ ہو جائیں۔ اور اپنے اپنے طور پر ہر شخص تنہا تنہا دعا کرے تو اس میں کسی طور سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ نہیں ہو سکتا۔

میت کے لئے دفن سے پہلے شریعت مقدسہ نے خاص صورت اجتماعیہ اور اہتمام کے ساتھ دعا کرنے کا صرف ایک مرتبہ حکم دیا ہے۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقوں اور پاک سیرتوں سے صرف ایک مرتبہ اجتماع اور اہتمام سے دعا کرنا ثابت ہے (اور وہ نماز جنازہ ہے) اس لئے اس (نماز جنازہ) سے زیادہ جس موقعہ پر اجتماع و اہتمام سے دعا کی جائیگی۔ وہ گویا اس اجتماع و اہتمام کے طریقہ شرعیہ (نماز جنازہ) پر زیادتی ہوگی۔ یعنی نماز جنازہ کے علاوہ اور کسی موقعہ پر اجتماع و اہتمام کے ساتھ دعا کرنے کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ شارع علیہ السلام نے میت کی خیر خواہی اور اس کے لئے دعائے اجتماعی میں کچھ نقصان چھوڑ دیا تھا جسے ہم پورا کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ شارع علیہ السلام نے اپنی امت کے لئے جس قدر محبت اور رحمت کاملہ کا تقاضا تھا۔ اس قدر اہتمام و اجتماع دعا کے لئے معین فرمایا۔ اگر اس سے زیادہ اجتماع و اہتمام مطلوب ہوتا تو بلاشک وہ مقرر فرما سکتے تھے۔ پس کس قدر غضب ہوگا۔ اگر ہم اپنے افعال سے اس بات کا وہم پیدا کریں۔ کہ شارع علیہ السلام نے

اس اجتماع و اہتمام للدعا کی تعیین میں کوتاہی فرمائی۔

بعض فقہاء نے فرمایا کہ کھڑا رہ کر دعا نہ کرے۔ چونکہ نماز جنازہ کے بعد اسی حالت پر کھڑا رہنا اور دعا کرنا خاص طور سے اجتماع و اہتمام کو ثابت کرتا ہے۔ اس لئے اس طرح تعبیر فرما دیا۔ مطلب وہی ہے کہ اجتماع و اہتمام سے دعا نہ کرے۔

یعنی اگر کوئی ایک شخص نماز جنازے کے بعد اتفاقی طور پر اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اور اس نے کوئی دعا اپنے دل میں میت کے لئے مانگ لی۔ تو اگرچہ اس نے کھڑے رہ کر یہ دعا کی ہے۔ مگر مکروہ نہیں ہوگی۔ کیونکہ کراہت کی اصل علت اجتماع و اہتمام موجود نہیں۔ اور نفس قیام علتِ کراہت نہیں۔

بعض فقہا نے فرمایا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے۔ کیونکہ نماز جنازہ خود دعا ہے۔ یا لانہ دعا مرۃً ایک مرتبہ تو دعا کر چکا۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے۔ کہ اہتمام و اجتماع و دعا کا نہ کرے۔ کیونکہ اہتمام و اجتماع کی دعا تو خود نماز جنازہ ہے۔ اور وہ ایک مرتبہ کر چکا۔ اور دوسری مرتبہ اہتمام و اجتماع کا ثبوت شریعت مقدسہ سے نہیں۔ ورنہ اگر اجتماع و اہتمام سے ممانعت مراد نہ ہو تو ایک مرتبہ دعا ہو چکنا تنہا تنہا دعا کرنے کی ممانعت کی علت نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وہ عمر بھر تک احادیث و فقہ سے ثابت ہے۔

بعض فقہاء نے نماز جنازہ سے پہلے بھی دعا کرنے کو مکروہ فرمایا۔ اور وجہ یہ بیان فرمائی۔ کہ ایک کامل اور عمدہ دعا کرنیوالا ہے (یعنی نماز جنازہ پڑھنے والا ہے) اس کا مطلب بھی یہی ہے۔ کہ نماز جنازہ سے پہلے دعا کے لئے اجتماع و اہتمام نہ کیا جائے۔ کیونکہ اجتماع و اہتمام کے ساتھ ایک کامل دعا ہونیوالی ہے۔ کیونکہ وہ شریعت مقدسہ مطہرہ کی مقرر کی ہوئی ہے۔ اور اس سے پہلے کوئی اجتماعی دعا ثابت نہیں۔ اس لئے مکروہ ہے۔ ورنہ نفس دعا تنہا تنہا ہر وقت جائز ہے۔ اور آگے کو دعا کرنے کا ارادہ تنہا تنہا پہلے دعا کرنے کو مکروہ نہیں بنا سکتا۔ ھ

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ میت کے لئے فرداً فرداً دعا مانگنے کا ہر وقت ہر شخص کو اختیار حاصل ہے۔ جبکہ التزام بالالیزم اور تخصیصات غیر مشروعہ سے خالی ہو۔ لیکن اجتماع و اہتمام کے ساتھ دفن سے پہلے دعا مانگنا صرف نماز جنازہ کے ضمن میں شریعت سے ثابت ہے۔ اور نماز جنازہ سے پہلے یا اس کے بعد دفن سے پہلے اجتماع و اہتمام سے دعا کرنے کا حدیث و فقہ و سلف صالحین و ائمہ مجتہدین سے کوئی ثبوت نہیں۔ لہذا مکروہ و بدعت ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ فقہاء کے قول بالکراہت اور امام محمد بن الفضل کے قول لا باس بہ میں ایک وجہ تطبیق کی یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ جو فقہا مکروہ فرماتے ہیں۔ وہ اہتمام و اجتماع سے دعا کرنے کو مکروہ فرماتے ہیں۔ اور امام محمد بن الفضل رح نفس دعا کا حکم بتاتے ہیں۔ انہوں نے اجتماع و اہتمام کا حکم نہیں بتایا۔ نفس دعا کو لا باس بہ فرمایا ہے۔ اور اگر اس صورت میں لا باس بہ کے معنے ایسے بھی لے لئے جائیں۔ جو مندوب کو شامل ہوتے ہیں۔ تاہم مضائقہ نہیں۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی شہادت کے بیان میں مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ کی وفات ہو گئی۔ اور ان کو غسل کے لئے لٹایا۔ تو لوگوں نے ان کے نعش مبارک کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور ان کے لئے دعا اور ان کی ثنا و صفت اور سوال نزول رحمت کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ نماز جنازہ سے

پہلے بھی میت کیلئے اجتماع و اہتمام کیا تو دعائے مغفرت کرنی جائز ہے اور فعل صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

جواب

تو اس کا جواب یہ ہو کہ اس روایت میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں۔ کہ لوگ دعا کرنے کے لئے اہتمام سے جمع ہوئے تھے۔ بلکہ علامہ عینی نے تصریح کردی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ حضرت عمرؓ کو غسل کیلئے لٹایا تھا۔ اور اس سے صاف واضح ہے کہ اس وقت وہی لوگ تھے جو غسل کے ضروریات کو انجام دینے والے تھے۔ اور غسل کی انجام دہی کیلئے ہی حاضر ہوتے تھے۔ اور ایسے وقت عموماً ہر شخص کے دل میں ایک خاص کیفیت اور رقت طاری ہوتی ہے۔ اور وہ بے اختیار یا باختیار میت کے لئے دعائے مغفرت کرتا جاتا ہے اور کوئی اہتمام و اجتماع کا قصد نہیں کرتا۔

بہرحال اس واقعہ میں اور اس حدیث میں اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ لوگوں کا اجتماع اور اہتمام دعا کیلئے تھا۔ اسکی نظیر یہ ہے کہ صاحب بحر نے مجتبیٰ سے نقل کیا۔ کہ اہل میت کو مسجد میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کیلئے آئیں مکروہ ہے۔ اور اسی طرح شرح منیہ اور فتح القدیر میں کراہت کا ذکر کیا۔ اور گھر میں بیٹھنے کو بھی بلفظ لاباس ذکر کیا۔ علامہ شامی نے فرمایا۔ کہ گھر میں بیٹھنا بھی خلاف اولیٰ ہے اور لفظ لاباس کے یہی حقیقی معنے ہیں۔ اور وہی یہاں پر مراد ہیں۔ مگر صاحب بحر نے تعزیت کیلئے بیٹھنے کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کرنا بقالی سے نقل کیا۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم جلس لما قتل جعفر و زید بن حارثۃ والناس یاتونہ ویعزونہ اھ (رد المحتار)	کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے جبکہ جعفرؓ و زید بن حارثہؓ کے قتل کی خبر آئی اور لوگ آتے تھے اور تعزیت کرتے تھے۔
	پھر علامہ شامی جواب دیتے ہیں
یجاب عنہ بان جلوسہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن مقصودا للتعزیۃ اھ (رد المحتار)	کہ اس استدلال کا یہ جواب دیا جائیگا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھنا بغرض تعزیت نہ تھا۔

جیسے اس مسئلہ میں لوگوں نے محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتفاقیہ بیٹھنے اور لوگوں کی تعزیت کرنے سے یہ سمجھ کر استدلال کرلیا کہ تعزیت کے لئے بیٹھے تھے۔ اسی طرح ہمارے زیر بحث مسئلہ میں بخاری کی روایت میں بغرض غسل جمع ہونے اور دعا کرنے کا ذکر دیکھ کر یہ سمجھ لیا گیا۔ کہ دعا کیلئے لوگوں نے اجتماع کیا تھا۔ پس جو جواب علامہ شامی نے اس استدلال کا دیا وہی جواب ہم نے اس استدلال کا دیا ہے **فافہم**

شبہ

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ روایت مرقومہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ کے بعد دعا کی ہے۔

عن ابراھیم الھجری قال رایت ابن ابی اوفی وکان من اصحاب الشجرۃ و ماتت ابنتہ الی قولہ ثم کبر علیہا اربعا ثم قام بعد ذلک قدر ما بین تکبیرتین یدعو وقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع علی الجنائز ھکذا رواہ ابن النجار (منتخب کنز العمال) وکذا رواہ الامام احمد فی مسندہ	ابراہیم ہجری سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی کو دیکھا اور وہ اصحاب شجرہ میں سے تھے اور ان کی صاحبزادی کا انتقال ہوگیا تھا الی قولہ پھر حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی نے صاحبزادی کے جنازے پر چار تکبیریں کہیں۔ پھر اتنی دیر کھڑے دعا کرتے رہے جس قدر دو تکبیروں میں فاصلہ ہوتا ہے۔ اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازوں پر ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اس روایت سے ثابت ہوگیا۔ کہ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضؓ نے چاروں تکبیروں کے بعد اتنی دیر دعا مانگی جتنی ایک تکبیر سے دوسری تکبیر تک تاخیر ہوتی ہے۔ اور پھر یہ بھی فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

جواب

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعا نماز جنازہ کے سلام کے بعد نہیں تھی۔ بلکہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے تھی۔ یہ روایت مختصر ہے

ہو یا واقعہ اس طرح ہے علامہ نووی کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں۔

ويحتج للدعاء في الرابعة بما رويناه في السنن الكبير للبيهقي عن عبد الله بن ابي اوفى رضي الله عنهما انه كبر على جنازة ابنة له اربع تكبيرات فقام بعد الرابعة كقدر ما بين التكبيرتين يستغفر لها ويدعو ثم قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع هكذا وفي رواية انه كبر اربعا فمكث ساعة حتى ظننا انه سيكبر خمسا ثم سلم عن يمينه وعن شماله فلما انصرف قلنا له ما هذا فقال اني لا ازيدكم على ما رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع او هكذا صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الحاكم ابو عبد الله هذا حديث صحيح انتهى (كتاب الاذكار)

کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعا کرنے پر اس حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ جو ہمیں سنن کبری بیہقی میں روایتاً پہنچی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ نے اپنی صاحبزادی کے جنازے پر چار تکبیریں کہیں۔ اور چوتھی تکبیر کے بعد بقدر فاصلہ ما بین تکبیرتین کھڑے ہوئے دعا استغفار کرتے رہے۔ پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ چار تکبیریں کہکر اتنا ٹھیرے کہ ہم نے خیال کیا کہ پانچ تکبیریں کہیں گے۔ پھر داہنے اور بائیں جانب سلام پھیرا جب فارغ ہوئے تو ہم نے ان سے کہا کہ یہ کیا کیا تو فرمایا کہ میں تمہارے لئے اس بات سے زیادہ نہ کرونگا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے کرتے دیکھا ہے۔ یا یوں فرمایا۔ کہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اور چونکہ سلام سے پہلے نماز جنازہ ختم نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ دعا نماز جنازہ ہی میں داخل ہو۔ اور ہماری بحث سے خارج ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے دعا کرنے کا حنفیہ کے نزدیک کیا حکم ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حنفیہ کا ظاہر مذہب جو تمام متوں میں منقول ہے وہ یہی ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد دعا نہیں ہے بلکہ چوتھی تکبیر کہتے ہی سلام پھیر دے۔ لیکن بعض شروح و فتاوی میں بعض مشائخ سے چوتھی تکبیر کے بعد بھی دعا منقول ہے۔

واشار بقوله وتسليمتين بعد الرابعة الى انه لا شيء بعدها غيرهما وهو ظاهر المذهب وقيل يقول اللهم آتنا في الدنيا حسنة الى آخره وقيل ربنا لا تزغ قلوبنا الى آخره وقيل يخير بين السكوت والدعاء (بحر رائق)

یعنی ماتن نے یہ کہکر کہ چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام پھیرے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ چوتھی تکبیر کے بعد سوائے دو سلاموں کے اور کچھ ذکر و دعا نہیں ہے۔ اور ظاہر مذہب یہی ہے۔ اور کہا گیا کہ اللھم آتنا الخ پڑھ لے اور کہا گیا کہ ربنا لا تزغ الخ پڑھ لے اور کہا گیا کہ اختیار ہے چپ رہے یا دعا کرے۔

اگر کوئی کہے کہ جن فقہاء نے نماز جنازہ کے بعد دعا کو مکروہ کہا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ دعائے طویل مکروہ ہے کیونکہ اسکی وجہ سے دفن میں تاخیر ہوگی۔ جو تعجیل مسنون کے خلاف ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو فقہاء کے کلام میں دعائے طویل کی قید نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے یہ وجہ بھی ان کو ملحوظ ہو یعنی کراہت کی دونو وجہیں جمع ہو سکتی ہیں۔ اول اجتماع و اہتمام دوسرے لزوم تاخیر اور اسباب میں تزاحم نہیں ہوتا پس اجتماع و اہتمام کے ساتھ مختصر دعا بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ کراہت کی ایک وجہ (عدم ثبوت اجتماع و اہتمام) اس میں بھی موجود ہے۔

تنبیہ

اگر اب بھی کوئی اصرار کرے کہ نماز جنازہ کے بعد دعائے اجتماعی میں کچھ نقصان نہیں اور استحباب مطلق دعا سے استدلال

کرے تو اس سے سوال یہ ہے کہ جنازے کی ایک مرتبہ نماز ہو چکنے کے بعد دوسری مرتبہ نماز پڑھنا دغیرولی کو) جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو حنفیہ کی معتبر کتب سے ثبوت درکار ہے۔ اور اگر ناجائز ہے تو کیوں؟ آخر نماز جنازہ بھی بتصریح فقہائے کرام استغفار و دعا ہی ہے۔ پھر آپ کی مصنوعی صورت سے تو بار بار دُعا جائز ہو۔ اور ایک شرعی صورت سے دوبارہ سہ بارہ دُعا ناجائز ہو۔ یہ زبردستی نہیں تو کیا ہے؟

تیسرا موقعہ پھر میت کو دفن کرنے کے بعد سب لوگ فاتحہ پڑھتے ہیں جیسا کہ عام طور پر سب جگہ مروج ہے۔ دفن کے بعد لوگوں کا میت کے لئے دعا استغفار کرنا مستحسن ہے۔ شریعت مطہرہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے +

وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه (درمختار)	یعنی دفن کے بعد دُعا و قرأت کے لئے قبر کے پاس بیٹھنا مستحب ہے۔ اتنی دیر کہ ایک اونٹ کو نحر کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جائے +
قوله وجلوس لما في سنن ابي داؤد كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره وقال استغفروا لاخيكم واسألوا الله له التثبيت فانه الآن يسأل وكان ابن عمر يستحب ان يقرأ على القبر بعد الدفن اول سورة البقرة وخاتمتها وروي ان عمرو بن العاص قال وهو في سياق الموت اذا انا مت فلا تصحبني نائحة ولا نار فاذا دفنتموني فشنوا على التراب شنا ثم اقيموا حول قبري قدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها حتى استأنس بكم وانظر ماذا اراجع رسل ربي - جوهره (رد المحتار)	بیٹھنا اس لئے مستحب ہے کہ سنن ابو داؤد میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن میت سے فارغ ہو کر اسکی قبر پر ٹھیرتے تھے۔ اور لوگوں سے فرماتے تھے۔ کہ اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور کلمہ توحید پر ثابت رہنے کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جائیگا اور ابن عمرؓ اسے مستحب سمجھتے تھے۔ کہ دفن کے بعد قبر پر سورۂ بقر کی ابتدائی اور آخری آئتیں پڑھی جائیں۔ اور روایت ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے حالت نزع میں فرمایا کہ جب میں مرجاؤں۔ تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی نہ جائے۔ اور نہ آگ لے جانا۔ اور جب مجھے دفن کرو۔ تو مٹی ڈالنا پھر میری قبر پر اتنی دیر ٹھیرنا جتنی دیر میں ایک اونٹ کو نحر کر کے اسکا گوشت تقسیم کیا جائے۔ تاکہ تمہارے ساتھ مجھے دلبستگی اور انسیت رہے۔ اور دیکھوں کہ میں اپنے پروردگار کے قاصدوں کو کیا جواب دیتا ہوں +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد استغفروا لاخیکم سے دعائے اجتماعی کا ثبوت ہو گیا لہذا قبر پر دفن کرنے کے بعد تھوڑی دیر ٹھیرنا اور ذکر و دُعا میں مشغول رہنا مستحب ہے +

چوتھا اور پانچواں موقعہ پھر قبرستان سے نکل کر دروازہ قبرستان پر یا راستہ میں دعا کے لئے اجتماع و اہتمام کرتے ہیں۔ پھر میت کے مکان پر دعا کے لئے مجمع ہوتے ہیں +

ان دو موقعوں پر اور ان کے بعد تمام مواقع پر دعا کے لئے اجتماع و اہتمام کرنا اور پھر اُسے لازم یا مستحب سمجھنا مکروہ و بدعت ہے۔ کیونکہ شریعت حقہ سے اس کا ثبوت نہیں +

ہاں ہر شخص کو بجائے خود اجازت ہے۔ کہ وہ میت کے لئے جس قدر چاہے اور جس وقت چاہے بغیر التزام ما لا یلزم فرداً فرداً دعا کرے۔ استغفار کرے۔ قرأت قرآن وغیرہ کا ثواب پہنچائے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

کتبہ محمد کفایت اللہ غفرلہ مولاہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

تکملہ

جو سوال حضرت مولٰنا مولوی محمد کفایت اللہ صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ اور ابتدائے رسالہ خیر الصلات میں مندرج ہے۔ وہی سوال ہندوستان و برہما و بنگالہ وغیرہا کے علما رفودی الاحترام کی خدمات مبارکہ میں بھیجا گیا تھا۔ علمائے کرام نے جو جواب تحریر فرمائے وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ البتہ بعض طویل جواب بغرض اختصار درج نہیں کئے گئے اور بعض طویل جوابوں کو بحذف دلایل وعبارات عربیہ مختصر کیا گیا ہے۔ اصل فتوے سب موجود ہیں +

فتوٰے دار العلوم دیوبند

الجواب

اُن عالم صاحب کا قول صحیح ہے۔ اور موافق ہے۔ قواعد و نصوص کے اور تصریحات فقہا، اُن کے قول کی موید ہیں۔ صلاۃ جنازہ خود دعا للمیت ہے۔ اس کے سوا اور کسی موقعہ پر فاتحہ مذکورہ کا علی وجہ الاجتماع ثبوت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ (مہر) — الجواب صحیح گل محمد خان مدرس مدرسہ دیوبند — اصاب المجیب محمد حسن عفا عنہ اللہ (مہر) — الجواب صحیح سراج احمد رشیدی — الجواب صحیح غلام رسول عفی عنہ

الجواب صواب۔ اور مسند احمد ص۳۵۶ میں عبد اللہ بن ابی اوفی سے ہے۔ ثم کبر علیہا اربعا ثم قام بعد الرابعۃ قدر ما بین التکبیرتین یدعو ثم قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع فی الجنازۃ ھکذا اور فتح الباری ص۱۳۲ ج۱۱ میں ہے۔ وفی حدیث ابن مسعود رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر عبد اللہ ذی النجادین الحدیث وفیہ فلما فرغ من دفنہ استقبل القبلۃ رافعا یدیہ اخرجہ ابو عوانۃ فی صحیحہ محمد انور عفا اللہ عنہ

فتوٰے علمار اجمیر شریف

الجواب

درحقیقت مولوی صاحب ہی کا قول صحیح ہے کہ نماز جنازہ خود دعا ہے۔ شامی کی عبارت کا انھوں نے جو حوالہ دیا ہے وہ بھی صحیح ہے۔ اس تصریح کے علاوہ رد المحتار میں یہ بھی ہے۔ ان المصلی ینوی مع الصلوٰۃ للہ تعالیٰ الدعاء للمیت وعللہ الشارح ھناک بانہ الواجب علیہ یعنی نماز جنازہ کی نیت اس طریق سے ہونا چاہئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صلوۃ، و میت کے حق میں دعا ہو اس کا نیت میں شامل کرنا اس وجہ سے ہے کہ درحقیقت نماز جنازہ میں یہ دعا واجب ہے۔ سنن ابوداؤد میں ہے عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء یعنی میت پر نماز پڑھتے وقت اسکے لئے اخلاص کیساتھ دعا مانگو۔ نماز جنازہ میں جو دعا پڑھی جاتی ہے۔ کہ اللھم اغفر الخ وہ عام طور پر

مسلمانوں کو یاد ہے۔ گو اسکے ترجمہ سے واقف نہ ہوں۔ اس کے بعد درحقیقت اسکی ضرورت نہیں۔ کہ کوئی سند اس کے علاوہ پیش کی جاوے
کاش اگر عام طور پر مسلمان عربی دان ہوتے۔ تو سرے سے اس استفتیٰ ہی کی ضرورت پیش نہ آتی۔ الفاظ دعا خود انکو سمجھا دیتے۔ کہ
درحقیقت نماز جنازہ سے مقصود دعا ہے۔ اب اسکے بعد کہ یہ دعا ہے۔ اسکی ضرورت نہیں رہتی۔ کہ بالالتزام دعاؤں کا سلسلہ قایم
کیا جائے۔ یہ اور بات ہے کہ جس قدر کوئی مسلمان اپنے بھائی کے حق میں قرآن مجید پڑھ کر ایصال ثواب کرے۔ اور اس کے
حق میں دعائے خیر کرتا ہے۔ اچھا ہے۔ لیکن ان امور کو بالالتزام اس طرح انجام دینا کہ تارکین ملامت کے دائرہ میں آجائیں
اور مثل نماز جنازہ اسکو فرض قرار دیدیا جائے درحقیقت حدود اللہ سے تجاوز ہے۔ اور اسکے بدعت ہونے میں شبہ نہیں ؛

سورۂ فاتحہ چار موقع کے علاوہ اگر دس موقعہ پر بھی پڑھ کر ایصال ثواب کر دے۔ تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ بلکہ امر مستحسن ہے
لیکن اگر اسکو فرض سمجھ لیا اور نماز جنازہ کی طرح اسکو بھی قرار دیدیا تو یہ بجائے ثواب ہونیکے اسکے لئے باعث نکال ہے۔ یہ ایک کلیہ ہے
جو صرف یہیں نہیں بلکہ ہر جگہ جاری ہے۔ اسکی سند کیلئے حضرت عبد اللہ ابن مسعود (جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں) کا ارشاد کافی ہے
عن عبد اللہ قال لا یجعل احدکم نصیباً للشیطان من صلوٰتہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ وقد رأیت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ما ینصرف عن شمالہ یعنی کوئی شخص اپنی نماز کا کچھ حصہ شیطان کی نذر نہ کرے جسکی یہ صورت ہے
کہ اپنے نزدیک سلام پھیرنے کے بعد داہنی جانب پھر جانا فرض و واجب کرے۔ حضرت عبد اللہ رض فرماتے ہیں۔ کہ میں نے بارہا حضور
انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں جانب بھی پھرتے ہوئے دیکھا ہے۔ دیکھئے ایک امر جائز کے فرض سمجھنے کو حضرت عبد اللہ نے کس قباحت
کی نظر سے دیکھا ہے اور اسکو شیطان کی طرف نسبت دی ہے مسلمانوں کو حضرت عبد اللہ ابن مسعود کے اس قاعدہ کو یاد رکھنے کی ضرورت
ہے۔ باقی رہا دعا پڑھ کر مانگنا تو یہ جایز ہے۔ اور جن فقہا نے منع کیا ہے۔ وہ منع بخوف التزام ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے متعدد طریقوں سے ثابت ہو اس زمانہ میں بعض اطراف و ممالک میں مسلمانوں نے یہ وتیرہ اختیار کر لیا ہے۔ کہ چالیس یا پچاس قدم
چل کر دعا مانگتے ہیں یہ بھی محض نہیں کی ایک جاہلانہ رسم ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

انا ایضاً اثق بہ	المجیب	ھکذا یستفاد من الفقہ الحنفی
محمد یونس عفا اللہ عنہ	العبد المسکین معین الدین الاجمیری کان اللہ لہ	محمد نور الدین الاجمیری عفا عنہ الباری
ناظم جمیعۃ انوار المصلحین شعبہ انجمن جمیعۃ انوار خواجہ	ناظم انجمن جمیعۃ انوار خواجہ اجمیر شریف	ناظم جمیعۃ انوار المفتین شعبہ انجمن جمیعۃ انوار خواجہ

فتوائے علمار برہما و بنگالہ

الجواب۔ جاننا چاہئے۔ کہ جنازہ کے متعلق شارع علیہ السلام نے اسراع و تعجیل اور عدم حبس کا حکم صریح ارشاد فرمایا ہے مشکوٰۃ شریف
صفحہ ۱۴۴ میں ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسرعوا بالجنازۃ فان تک صالحۃ
فخیر تقدمونہا الیہ وان تک سوی ذالک فشر تضعونہ عن رقابکم (متفق علیہ) یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جنازہ کو جلدی لے چلو۔ اس لئے کہ اگر وہ نیک آدمی کا ہے
تو خیر ہے اسکو اسکی بھلائی کی طرف جلد پہنچا دوگے۔ اور اگر برے آدمی کا جنازہ ہے تو وہ شر ہے۔ اس کو جلدی جا کر اپنی گردنوں سے
رکھدوگے۔ (اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا)

ابو داؤد شریف صفحہ ۹۶ جلد ثانی میں ہے عن الحصین بن وحوح ان طلحۃ بن البراء مرض فاتاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یعودہ فقال انی لا اری طلحۃ الا قد حدث فیہ الموت فاذنونی بہ وعجلوا فانہ لا ینبغی لجیفۃ مسلم ان تحبس بین ظہرانی اھلہ یعنی حصین بن وحوح سے مروی ہے۔ کہ طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے واسطے تشریف لائے۔ پس فرمایا کہ میرا گمان یہی ہے۔ کہ طلحہ کی موت کا وقت آ پہنچا پس تم لوگ ان کی موت کی خبر مجھ کو کر دینا۔ اور جنازہ میں جلدی کرنا۔ اس لئے کہ مسلمان مردہ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ کہ اس کو اس کے اہل میں روک رکھا جائے۔

مشکوۃ شریف صفحہ ۱۴۹ میں ہے۔ وعن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا مات احدکم فلا تحبسوہ واسرعوا بہ الی قبرہ یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے۔ جب تم میں کا کوئی مر جائے۔ تو اسکو روکے نہ رکھو اور اسکو اسکی قبر کی طرف جلد لیجاؤ۔

انہیں احادیث کی بنا پر ہدایہ میں لکھا ہے۔ ویمشون بہ مسرعین دون الخبب اور فتح القدیر صفحہ ۹۶ جلد ۲ میں ہے ولو مشوا بہ الخبب کرہ لانہ ازدراء بالمیت یعنی جنازے کو جلدی لے چلیں۔ لیکن نہ اس قدر کہ دوڑنے لگیں۔ اس لئے کہ دوڑ کر لے چلنا اس سبب سے کہ اس میں میت کی تحقیر ہے مکروہ ہے۔ نیز فتح القدیر صفحہ ۹ جلد ۲ میں ہے ویستحب الاسراع بتجہیزہ کلہ من حین یموت یعنی میت کے مرنے ہی کے وقت سے اس کے سارے سامان میں جلدی کرنا مستحب ہے۔

ان احادیث اور اقوال فقہاء رحمہم اللہ سے صاف صاف ثابت ہو گیا۔ کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا۔ کہ شرع شریف کا منشاء یہ ہے کہ میت کو مرنے کے وقت سے لیکر دفن ہونے تک اپنی رائے اور قیاس سے کسی کام کے لئے روکنا مناسب نہیں ہے۔ اگرچہ وہ کام ظاہری نظر میں اچھا ہی کیوں نہ معلوم ہو وجہ اسکی بالکل ظاہر ہے۔ کہ جس کام سے حاکم شرع کے حکم کی مخالفت اور مقابلہ لازم آتا ہو اس کے کرنے میں سرکشی اور نافرمانی اور خود رائی ضرور سمجھی جائیگی۔ پس جبکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے میں تعجیل کا حکم سنا دیا ہے تو ظاہر ہے کہ روک لینے میں باختیار خود اسکی ضد اور مقابل یعنی تاخیر ضرور لازم آئیگی۔ خواہ تھوڑی ہو یا بہت۔ اور اس حالت میں جس مقدار کی تاخیر ہوئی ہے۔ اسی مقدار کی تعجیل لامحالہ فوت ہوگی۔

شاید کسی کو یہاں پر شبہ پیدا ہو کہ دفن کے بعد میت کو ایک بہت بڑی سخت منزل در پیش ہے۔ اگر یہ پہلی منزل بخیر و خوبی طے ہو گئی۔ تو پھر آگے کی منزلیں سب آسان ہو گئیں۔ پس اس پہلی سخت منزل کے پیش آنے سے پہلے خاص خاص مناسب موقعوں پر جنازے کو روک کے رکھکر دوست احباب عزیز و اقارب مل کر ایصال ثواب کریں یعنے جب مردہ کفنایا ہوا جنازے میں رکھا ہوا ہے تو تھوڑا اور رکھا رہنے دیں۔ اٹھانے میں عجلت نہ کریں۔ تا کہ حاضرین فاتحہ و دعائے خیر کر لیں۔ اسی طرح جب نماز جنازہ پڑھ چکیں۔ تو بھی اس لئے کہ سارے نمازی ابھی جنازہ کے پاس موجود ہیں۔ اور نیز بے نمازی بھی اس دعا و ایصال ثواب میں شریک ہو سکیں گے۔ تھوڑی دیر اور روک لیں۔ اور اس طرح میت کے لئے نماز کے علاوہ زاید ثواب حاصل کریں۔ تو ایسی ساری صورتوں میں میت کے لئے نفع ہی نفع ہے کہ اس سے اسکی پہلی منزل بآسانی طے ہو جائیگی۔ جواب۔ اس شبہ کا بالکل کھلا ہوا ہے۔ لیکن بلحاظ زیادت وضوح اس شبہ کی تقریر جواب چار وجہوں پر کی جاتی ہے۔

پہلی وجہ تو یہی ہے۔ کہ اس صورت میں اپنی رائے ناقص اور قیاس فاسد کی وجہ سے حضور رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے حکم تعجیل کی مخالفت ہو کر تاخیر لازم آ جائیگی۔

دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر شفقت ہماری تجویز کردہ شفقت سے ہزار درجہ بڑھی ہوئی ہے

مرنے کے بعد بدن انسانی سریع الاستحالہ ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ سے نجاسات وغیرہ کے روکنے اور چھپانے پر اسکو قابو نہیں رہتا۔ نیز ممکن ہے کہ کسی میت کے جنازے میں بے اختیار کسی خاص سبب سے بو وغیرہ کوئی ایسی چیز پیدا ہو جائے جس سے نفوس اور طبائع انسانی نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے حضور نے کمال شفقت و رحمت سے اپنی امت میں سے بعض افراد کے لحاظ و رعایت سے عام حکم تعجیل کا سنا دیا۔ کہ خاک میں جلد چھپا دینے سے میت کی عزت و حرمت مخلوق کی نظر میں باقی رہیگی۔ اور اس کا پردہ فاش نہیں ہوگا چنانچہ حاشیہ ابوداؤد شریف پر حضور کے حکم میت کو نہ روکے جانے کی وجہ میں طیبی رحمہ نے نقل کیا ہے۔ وذالک ان المؤمن عزیز مکرم فاذا استحال جیفۃ ونتنا استقذرہ النفوس وتنبو عنہ الطباع فینبغی ان یسرع فیما یعادیہ فیستمر عزتہ۔ یعنی یہ اس واسطے ہے۔ کہ بندہ مومن عزت والا بزرگ ہے پس جبکہ متغیر ہو کر اس میں بو پیدا ہوگی تو لوگوں کے نفوس اس سے متنفر ہونگے۔ اور طبائع انسانی اس سے اٹھیلنگی پس مناسب یہ ہے کہ ایسی کوئی حالت پیش آنے سے پہلے اس چیز میں جلدی کی جائے۔ جو اسکی اس قسم کی باتوں کو چھپا لے پس اس طرح اُسکی عزت قایم رہیگی ٭

تیسری وجہ یہ ہے کہ میت کی منفعت اور مصلحت کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے جس قدر اور جس طرح روکنے کی ضرورت تھی۔ اس کو شارع علیہ السلام نے خود ہی باحسن وجوہ تعلیم فرما دیا۔ اور نماز جنازہ یعنی تکبیرات و ثنا و درود اور میت کے لئے خاص طور پر دعا (جیسا کہ نماز جنازہ کی حقیقت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے) خود زبان مبارک سے ارشاد فرما کر کمال خوبی کے ساتھ سکھلا دی۔ بخلاف دیگر نمازوں کے اس نماز میں کمال اختصار کا پورا لحاظ فرمایا۔ اور اسراع و تعجیل کے مقصود و غایت پر نظر کرتے ہوئے دعائے مغفرت و ایصال ثواب کے لئے اس قدر جنازے کے روکنے کو کافی اور وافی قرار دیا۔ پس کسی بندہ کو اب یہ حق حاصل نہیں رہا۔ کہ شریعت کی بتلائی ہوئی اس دعا کیلئے بحکم شرع روکنے کے ساتھ اپنی تجویز کردہ دعا اور ایصال ثواب کے لئے بھی روکے رکھے جس سے یہ خیال ہو سکے۔ کہ شارع علیہ السلام کی تعلیم کردہ دعا میت کی ایسی اشد ضرورت کی حالت میں ناکافی تھی۔ اس تقریر پر علامہ ملا علی قاری کی رحمۃ اللہ علیہ کا قول جسکو سوال میں نقل کیا ہے۔ بالکل چسپاں ہے آپ فرماتے ہیں۔ ولا یدعیٰ للمیت بعد صلاۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلاۃ الجنازۃ۔ یعنی نماز جنازہ کے بعد میت کیواسطے دعا نہ کی جائے۔ اس لئے کہ یہ دعا کرنا نماز جنازہ میں (اپنی طرف اور اپنی رائے سے) زیادتی کے مشابہ ہے (جس کا بندہ کو حق حاصل نہیں) اور اس زیادتی کی ضرورت بھی نہیں۔ اس لئے کہ حسب تصریح علامہ شامی تمامی علماء کے نزدیک نماز جنازہ خود میت کے واسطے دعا ہے۔ جیسا کہ سوال میں بھی ظاہر کیا گیا ہے ٭

چوتھی وجہ یہ ہے کہ میت کو نفع پہنچانے اور اسکی پہلی منزل آسان کرنے کے لئے شارع علیہ السلام نے خود ایک وسیع موقعہ تعلیم فرما دیا ہے۔ جو کہ میت کو جگہ جگہ اپنی رائے سے روک لینے کے مجموعی اوقات سے زاید اور اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ پس اس موقعہ کے ہوتے ہوئے بھی قبل نماز جنازہ اور بعد نماز جنازہ روکنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ عن عثمان بن عفان قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم واسئلوا لہ التثبیت فانہ الآن یسئال (ابوداؤد شریف صفحہ ۱۰۳ جلد ثانی) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میت کے دفن سے فارغ ہوتے تھے۔ تو کھڑے رہتے تھے۔ پس فرماتے تھے کہ اے لوگو تم اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو۔ اور اس کے لئے منکر نکیر کے سوال و جواب میں ثابت قدم رہنے کی دعا کرو۔ اس لئے کہ میت سے اب قبر میں سوال و جواب کیا جاتا ہے۔ اور حاشیہ طحطاوی صفحہ ۳۵۹ مطبوعہ مصر میں ہے۔ اذا فرغوا من دفنہ یستحب الجلوس عند

قبرہ بقدر ما ینحر جزور ویقسم لحمہ یتلون القرآن ویدعون للمیت فقد ورد انہ یستانس بھم و ینتفع بہ یعنی جب میت کے دفن سے فارغ ہوں۔ تو اسکی قبر کے پاس بیٹھنا مستحب ہے۔ اتنی دیر تک کہ جتنی دیر میں اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کردیا جاتا ہے۔ اس طویل وقت میں قرآن شریف کی تلاوت کریں۔ اور میت کے لئے دعا کریں اس لئے کہ وارد ہوا ہے کہ میت انسے انس حاصل کرتا ہے۔ اور اس سے اسکو نفع پہنچتا ہے ✦

تعجب ہے کہ دفن کے بعد تو برائے نام ٹھیر کر چلدیں۔ اور سنت رسول اللہ صلعم پر عمل کرنے میں جی نہ لگے۔ اور اپنی طبیعت سے ایجاد کئے ہوئے طریقوں پر جنکو بدعت کہنا چاہئے۔ اتباع نفس کرکے کمال اہتمام کے ساتھ زور لگایا جائے ✦

پس بلحاظ وجوہ مذکورہ بالا مندرجہ سوال عالم کا فرمانا بہت ٹھیک اور درست ہے۔ اور وجوہ مذکورہ سے یہ بھی واضح ہوگیا۔ کہ دفن سے پہلے صرف ایک موقع پر جمع ہوکر جنازے کو روک کر میت کے لئے دعا مانگنے کا حکم ہے۔ جس کو صلاۃ جنازہ کہتے ہیں۔ اور یہ دعا فرض کفایہ ہے اور دفن کے بعد متصل ہی میت کے لئے استغفار و دعائے ثبات مسنون ہے۔ علاوہ ان مواقع کے بلا التزام مالم یلزم جب چاہے۔ دعا و ایصال ثواب کرتا رہے۔ ھذا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

کتبہ الفقیر عبدالخالق الشاہجہان پوری عفا اللہ عنہ دافسر دینیات مسلم ہائی سکول رنگون۔ برہما)

(مہر دارالافتاء رنگون)

بعد غسل میت قبل دفن کسی حالت میں فاتحہ پڑھنا مذہب حنفی میں جائز نہیں۔ محمد عبدالقادر عفی عنہ اسلم آبادی

الجواب صحیح والمجیب نجیح قاسم سہارنپوری مدرس مدرسہ بنگالی جماعت شہر رنگون

صح الجواب جمال احمد غفرلہ الصمد نمبر گلی ۲۵ سورتی مسجد۔ جواب باصواب است۔ امید علی غفرلہ الباری نمبر گلی ۲۵ سورتی مسجد

قبل دفن مردہ را پیش داشتہ بار بار فاتحہ خواندن خالی از مکروہ نباشد۔ الفقیر الحقیر محمد اسمٰعیل غفرلہ الجلیل خطیب چھوٹی ارکاٹی مسجد گلی نمبر ۴۰۔ الجواب صحیح محمد ابراہیم راندیری عفی عنہ خطیب جامع رنگون

قراءۃ الفاتحۃ علی الجنازۃ والدعا للمیت بعد الغسل قبل الرفع وبعد الصلوۃ قبل الدفن بھیئۃ اجتماعیۃ امر محدث وبدعۃ قبیحۃ۔ محمد یعقوب غفرلہ خطیب بڑی ارکاٹی مسجد شہر رنگون

فاتحہ مروجہ مندرجہ فی السوال کا ثبوت نہ اصول شرعیہ سے ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ فروعات فقہیہ سے کہیں پتہ چلتا ہے یہ صرف فاتحہ خوانوں کی ایجاد ہے۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس کو داخل فی الدین سمجھ لیا۔ اور اسکے ساتھ اعتقاداً وعملاً معاملہ ضروریات دین کا سا کرنے لگے جس سے اعمال تو خراب تھے ہی عقاید بھی فاسد ہوگئے۔ حنفاف کے اصول مسلمہ سے یہ ہے۔ کہ جس امر مستحب کے ساتھ لوگ اعتقاداً یا عملاً معاملہ واجب کا سا کرنے لگیں۔ اس مستحب کا ترک ضروری ہے۔ چہ جائیکہ وہ امر فی حد ذاتہ مستحب اور مباح بھی نہ ہو بلکہ علمائے اعلام کی تحریرات معتبرہ سے اس کا بدعت ہونا مستفاد ہوتا ہو لہذا اس کا ترک ضروری ہے۔ سداً للباب وحسماً للفساد واللہ اعلم وعلمہ اتم و احکم

حررہ الراجی عفو ربہ الصمد المدعو بمرغوب احمد الاجفوری السورتی مدرس مدرسہ تعلیم الدین معلمیہ رنگون

الجواب صحیح سید ابوظفر ندوی ڈفرن اسٹریٹ رنگون جواب المجیب صحیح ابوطاہر عبدالصمد ندوی مدیر اخبار برہما رنگون

بیشک جن عالم صاحب کے بارہ میں سوال میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ متبع شریعت ہیں۔ وہ جو حکم اس فاتحہ وغیرہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ حق ہے۔ جیسے کہ زاد الآخرت کے صفحہ ۱۵ میں ہے۔ وبعد فراغ از نماز برائے خواندن دعا۔ نایستد۔ ق۔ سہ۔ کد۔ اور شامی جلد اول صفحہ ۶۲۴ میں ہے۔ عن ابراھیم انہ کان یکرہ ان یقول الرجل وھو یمشی

معہا استغفر واللہ غفر اللہ لکم - بحر صفحہ ۶۳۶ میں ہے - وقد صرح بعض علمائنا وغیرہم بکراہۃ المصافحۃ المعتادۃ عقب الصلوات مع ان المصافحۃ سنۃ وما ذالک الا لکونہا لم توثر فی خصوص ہذا الموضع فالمواظبۃ علیہا فیہ توہم العوام بانہا سنۃ فیہ ولذا منعوا عن الاجتماع لصلاۃ الرغائب التی احدثہا بعض المتعبدین لانہا لم توثر علی ہذہ الکیفیۃ فی تلک اللیالی المخصوصۃ وان کانت الصلاۃ خیر موضوع - مظاہر الحق جلد اول صفحہ ۲ میں شیخ عبدالحق دہلوی سے منقول ہے - کہ اتباع کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جیسے کہ کرنے فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے میں لازم ہے - ویسے ہی جو فعل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ کیا ہو اس فعل کے نہ کرنے میں بھی اتباع لازم ہے - اور چاہئے کہ اس چیز پر دوام نہ کرے - جو شارع سے ثابت نہیں ہوئی اور جو کوئی دوام کرے ایسی چیزوں پر کہ شارع سے ثابت نہیں - وہ شخص بدعتی اور مبتدع ہے - واللہ اعلم بالصواب

سید غلام علی شاہ مدرس مدرسہ محمدیہ از شہر مانڈلی - ملک برہما)

اس قسم کے رواج کا ثبوت شریعت میں نہیں - اور نہ ائمہ دین سے منقول ہے بلکہ محض مبتدعین کا ایجاد معلوم ہوتا ہے - اور جب یہ بدعت اس حد تک پہنچ چکی کہ تارک قابل ملامت سمجھا جاتا ہے - تو ایسی صورت میں اس سے احتراز واجب ہے - اور صلوۃ جنازہ جو شارع علیہ السلام نے میت کی دعا کے لئے مقرر کی ہے - اُسے کافی سمجھنا چاہئے - رسالہ بصائر الاجتناد مؤلفہ مولوی حافظ سید محمد حسن صاحب مدرس مدرسہ اشرفیہ واندیر شاہجہانپوری اس بحث میں کافی ہے - ؎

دانا کے لئے کافی ہے ایک حرف اشارہ + نادان کو کافی نہیں دفتر نہ رسالہ

بندہ غلام نبی غفرلہ خطیب جامع مولمین برہما

کلکتہ الجواب - فاتحہ اولی کی وجہ سے نماز جنازہ و دفن میت میں تاخیر لازم آتی ہے - اور فاتحہ ثانیہ کی وجہ سے دفن میں تاخیر ہوتی ہے - حالانکہ ان امور میں تعجیل بہتر ہے - اور تاخیر مکروہ - اس لئے یہ دونو فاتحہ اولی و ثانیہ مکروہ ہونگے - (ندب تعجیلہ) ای تعجیل جہازہ عقیب تحقق موتہ - ولذا کرہ تاخیر صلوتہ و دفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلاۃ الجمعۃ - شامی جلد اول باب صلاۃ الجنائز صفحہ ۶۶۲ - والاصل ان یعجل بتجہیزہ کلہ حین یموت - شامی جلد اول صفحہ ۶۵۵ (ویسرع فی جہازہ) لما رواہ ابو داؤد عنہ صلعم لما عاد طلحۃ بن البراء وانصرف قال ما اری طلحۃ الا قد حدث فیہ الموت فاذا مات فآذنونی حتی اصلی علیہ وعجلوا بہ فانہ لا ینبغی لجیفۃ مسلم ان تحبس بین ظہرانی اہلہ - شامی جلد اول صفحہ ۶۲۹ من السنۃ اکرام المیت بتعجیل دفنہ - قد روی الائمۃ الستۃ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اسرعوا بجنائزکم فان تک صالحۃ فخیر تقدمونہا الیہ وان تک سوی ذلک فشر تضعونہ عن رقابکم - کتاب المدخل لابن الحاج جزو ثالث صفحہ ۱۳ - ثم انہم یوخرون الصلاۃ علی المیت و دفنہ حتی یفرغ الامام من خطبتہ و صلاتہ ان کان فی الجمعۃ و ان کان فی غیرہا فینتظرون انقضاء تلک الصلوۃ التی تکون وقد وردت السنۃ ان من اکرام المیت تعجیل الصلوۃ علیہ - کتاب المدخل جزو ثانی صفحہ ۵ بعض من یعتنون بہ من الموتی یترکونہ بعد ان یصلی علیہ و یقفون عندہ و یدعون ویطولون فی الدعاء والسنۃ التعجیل بالمیت الی دفنہ و مواراتہ وفعلہم بضد ذلک فلیحذر من ہذا - کتاب المدخل جزو

ثالث ص۲۱۱۔ علاوہ اسکے فاتحہ ثانیہ کی کراہت کی علمائے احناف نے بھی تصریح فرمائی ہے۔ جیساکہ مترجات الہ کبیری کی عبارت
جسکو میں نے اصل کتاب میں دیکھا ہے۔ اور سوال میں بھی درج ہے۔ اس پر دال ہے۔ اور فتاوی قنیہ باب الجنایز ص۵۶ مطبوعہ کلکتہ
میں بحوالہ شمس الائمہ حلوانی وعلامہ سغدی رحمہم اللہ تعالی یہ عبارت موجود ہے۔ ولا یقوم الرجل بالدعا بعد صلوۃ الجنازۃ
قال رضی اللہ عنہ لانہ یشبہ زیادۃ فی الجنازۃ۔ اور اسی کتاب کے اسی صفحہ میں محیط کے حوالہ سے ہے۔ عن ابی بکر
بن حامد الدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ مکروہ۔ اور فتاوی سراجیہ باب الصلوۃ علی الجنایز ص۲۹ مطبوعہ کلکتہ میں ہے۔
اذا فرغ من الصلوۃ لا یقوم بالدعاء۔ اور بحر الرائق جزو ثانی کتاب الجنایز ص۱۹۴ میں بھی فاتحہ ثانیہ مذکورہ کو منع لکھا ہے
لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصۃ۔ اور آج کل تنگی جگہ کی وجہ سے بڑے بڑے شہروں میں مجبوراً صلاۃ جنازہ مسجد میں
ہوتی ہے۔ تو ایسی جگہوں میں اگر یہ فاتحہ ثانیہ ہوتی ہے۔ تو مسجد ہی میں ہوتی ہے۔ تو اس وقت علاوہ کراہت دعا بعد صلاۃ جنازہ
کے دوسری خرابی یہ ہوگی۔ کہ بغیر کسی مجبوری کے کچھ دیر تک مسجد میں ٹھیرانا فی نفسہ بدعت اور ممنوع ہے۔ چنانچہ ابن الحاج کتاب المدخل
میں فرماتے ہیں۔ جزو ثالث ص۲۴۱ فقد تقدم ان الصلوۃ علی المیت فی المسجد مکروہ علی مذہب مالکؒ۔ جائز
علی مذہب الشافعی رح فالزیادۃ علی ذلک ھی البدعۃ۔ فاتحہ ثالثہ یعنی دفن سے فارغ ہوکر لوٹتے ہوئے قبرستان کے
دروازہ پر سب لوگوں کو روک کر فاتحہ خوانی نہیں چاہیے۔ بلکہ ہر شخص کو دفن سے فارغ ہوکر لوٹتے وقت متفرق ہوکر اپنے اپنے
کاروبار میں مشغول ہو جانا چاہیے۔ اور اہل میت کو بھی اپنے کام میں لگ جانا چاہیے۔ اذا فرغ ورجع الناس من الدفن
فلیتفرقوا ویشتغل الناس باموزھم وصاحب البیت بامرہ۔ شامی جلد اول ص۶۶۳ اور میت کے مکان پر تو
نفس اجتماع ہی مکروہ ہے۔ اور اس کو نیاحۃ میں داخل سمجھا جاتا ہے۔ تو پھر پانچواں فاتحہ جس میں مکان میت پر بعد دفن کے
اجتماع ہوتا ہے۔ وہ کس طرح جائز ہوگا۔ قال کثیر من متاخری ائمتنا یکرہ الاجتماع عند صاحب البیت۔ شامی
باب الجنائز ص۶۶۳ روی الامام احمد وابن ماجۃ باسناد صحیح عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد
الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام من النیاحۃ۔ شامی باب الجنائز ص۶۶۳ چوتھا فاتحہ یعنی میت
کو جب غسل کے لئے رکھتے ہیں۔ اس وقت جمع ہوکر فاتحہ خوانی بدعۃ اور قابل ترک ہے۔ ولیحذر من ھذہ البدعۃ الاخری
التی یفعلھا اکثرھم وھو ان الغاسل اذا بدء فی غسلہ اخذ یذکر بکل عضو یغسلہ ذکرا من الاذکار وقد
تقدم ان ذکر اللہ حسن سراً وعلناً لکن فی المواضع الماموربہ فیھا وھذا المحل محل تفکر واعتبار وخشیۃ
فیشتغل بہ عن غیرہ من العبادات ذکرا کان او غیرہ وھو عمل السلف الماضین رضی اللہ عنھم اجمعین
پس حسب تصریح ابن الحاج جبکہ غسل کے وقت تفکر اعتبار خشیۃ کے سوا دوسری عبادت ذکر اللہ ہو یا غیر بدعۃ اور خلاف
عمل سلف صالحین ہے۔ تو یہ فاتحہ چوتھا بھی بدعت اور قابل ترک ہوگا۔ اب بفضلہ تعالی پانچوں فاتحہ کے قابل ترک ہونیکی
دلیلیں اجمالاً و تفصیلاً دونوں طریقہ سے واضح ہوگئیں۔ بعدہ جاننا چاہیے۔ کہ دعا بعد صلاۃ الجنازہ کو بعض علمانے لاباس بہ بھی
کہا ہے۔ مگر اولاً تو لاباس بہ کا حقیقی معنے خلاف المستحب ہے۔ ملاحظہ ہو شامی جلد اول کتاب الجنایز بیان تعزیت ص۶۶۳
ولا باس بالجلوس لھا، ای للتعزیۃ و استعمال لاباس ھھنا علی الحقیقۃ لانہ خلاف الاولی کما صرح
بہ فی شرح المنیہ اور نیز شامی جلد اول بیان احکام مسجد ص۴۸۵ میں ملاحظہ ہو۔ قولہ لاباس۔ فی ھذا التعبیر کما قال
شمس الائمۃ اشارۃ الی انہ لا یوجر ویکفیہ ان ینجو راساً برأس۔ اھ۔ قال فی النھایۃ لان لفظ لاباس

دلیل علی ان المستحب غیرہ لان الباس المشرق۔ پس معلوم ہوا۔ کہ جو لوگ دعا بعد صلاۃ الجنازہ کو لاباس بہ فرماتے ہیں۔ وہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ کہ اسکے ترک میں ثواب ہے۔ اور اسکے کرنے میں کچھ اجر نہیں ملیگا۔ اور اگر لفظ لاباس بہ کو معنے حقیقی پر محمول نہ کریں۔ اور معنے مجازی پر محمول کریں۔ تو مطلب یہ ہے۔ کہ فی حد ذاتہ قطع نظر امور لاحقہ کے یہ دُعا جائز ہے۔ مگر جب اس کا التزام اور اہتمام ہو۔ اس پر اصرار ہو۔ اور تارک پر ملامت ہونے لگے۔ تو ان امور عارضہ کی وجہ سے ممنوع ہو جائیگا۔ علاوہ ازیں دلایل مذکورہ بالا و اقوال و تصریحات محققین کے بعد یہ قول مرجوح ہوگا۔ پس بیانات مذکورہ بالا سے ظاہر ہوگیا۔ کہ جو عالم صاحب فاتحہ مذکورہ کو منع کرتے ہیں۔ وہ صحیح اور درست کہتے ہیں۔ ہاں ہر شخص کو اختیار ہے۔ کہ علاوہ نماز جنازہ کے دعا بعد الدفن بھی بلا التزام لایلزم اور بلا اہتمام و فکر اجتماع و اصرار اپنی خوشی سے جب چاہے۔ میت کیواسطے دعاء خیر کیا کرے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ محمد المدعو بسہول غفرلہ عثمانی حنفی مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ۔ ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ

بلا شبہ یہ امور مکروہ ہیں۔ جب کہ التزام اور رسم کے طریق پر ہوں۔ یا اور کسی طرح سے موہم لزوم و موجب فساد عقاید عوام ہوں۔ اور بلا اسکے بھی ترک اولی ہیں۔ کیونکہ رفتہ رفتہ موجب فساد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

عبد الصمد عفی عنہ اسلام آبادی مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

ما کتب مولٰنا سہول من الدلائل القاطعۃ فہو جدیر بان یتلقی بالقبول۔ محمد خلیل اللہ عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

الاجوبۃ صحیحۃ محمد یحیی عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

الجواب صحیح ابو مسعود مقبول حسن غفرلہ امام مسجد مرغی ہٹہ کلکتہ

الاجوبۃ کلہا صحیحۃ عبد العزیز مدرس اول مدرسہ رمضانیہ کلکتہ

الجواب صحیح وقول بعض الفقہاء لاباس بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ مرادہ ان نفس الدعاء جائز بعد الصلوۃ کما فی سائر الاوقات ولا یرید ان التزامہ بعدہا لاباس بہ وکیف وتصریحات الکراہۃ عدیدۃ شہیرۃ بحیث لامناص عنہا عند احد من الفقہاء فقط

حررہ محمد ناظر حسن النعمانی النقشبندی نائب الصدر فی المدرسۃ العالیۃ بکلکتہ

الجواب صحیح ولکن ینبغی بعد الفراغ من الدفن ان تقراء عند راس المیت فاتحۃ البقرۃ وعند رجلیہ بخاتمۃ البقرۃ کما جاء فی الحدیث عن عبد اللہ بن عمر موقوفا علیہ وایضا یحسن للمار علی المقبرۃ ان یقرء یٰسٓ وقل ھو اللہ احد وسورۃ تکاثر ویہدی الثواب للموتی

سید وصی الدین عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

اقول وباللہ التوفیق انما العبرۃ بالخواتیم وطبق ہذا القول الاخیر کتبت سابقا جواب ہذا السوال وہذا التفصیل المقبول من مولانا السہول الیق بالقبول۔ اسمٰعیل عفی عنہ مدرس اول مدرسہ صالحیہ کلکتہ

الجواب صحیح۔ عبد الرشید عفی عنہ مدرس مدرسہ صالحیہ کلکتہ

الجواب صحیح۔ شیر زمان مدرس مدرسہ رمضانیہ کلکتہ

جواب صحیح ہے۔ عبد اللطیف مدرس مدرسہ رمضانیہ کلکتہ

الاجوبۃ صحیحۃ محمد فضل الرحمن غفرلہ مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

[illegible]

الجواب صحیح تعجب ہے کہ طریقہ مسنونہ سے نہ مسلمانوں کو محبت رہی۔ نہ اسکی تلاش ہے۔ لیکن امور غیر ثابتہ پر مصر امور ثابتہ کے لئے عدیم الفرصتی کی شکایت اگر غیر ثابتہ کے لیے پوری فرصت طریقہ مسنونہ یہ ہے۔ کہ وقت انتقال کے تلقین کرے اور دیون میت کی ادائیگی میں کوشش کرے۔ دعا بغیر اہتمام کے مردہ کے لئے اکثر کیا کرے۔ تجہیز و تکفین میں عجلت کرے۔ بعد دفن کے متصل تمام حاضرین ل کر دعا تثبیت کریں۔ پھر کبھی کبھی گھر پر یا قبر پر مردہ کے لئے دعا کیا کریں۔ اور دعا و لہا کے لئے جماعت کا اہتمام بیشک مکروہ ہے۔ البتہ دعا تثبیت کے لیے ثابت ہے۔ اور رسول اللہ صلعم کی ہدایت ہے۔ بعد نماز جنازہ کے دعا سے احناف منع کرتے ہیں۔ البتہ شافعیہ کرتے ہیں۔ یہ منع کرنا اگر تاکس وجہ میں ہے یہ تفصیل طلب ہے

وانا لیسہ المقام ابوالبرکات عبدالرؤف عفی عنہ قادری دانا پوری

الجواب حامداً و مصلیاً۔ اما بعد عالم صاحب کا فرمانا ضرور صحیح ہے۔ بیشک ان مواقع مذکورہ پر جو میت کے واسطے فاتحہ و دعا کی جاتی ہے۔ باجتماع الناس غیر ثابت ہے۔ ہاں مطلق دعا میت کیواسطے اور نیز اس کا ثواب حدیث شریف و فقہ حنفیہ میں ثابت ہے۔ اگر میت کے واسطے لوگ فرداً فرداً انہیں مواقع یا ان کے سوا میں جہاں تصریح نفی فقہ میں نہیں ثابت ہے دعا کرتے رہیں۔ تو میں اسکو بدعت نہیں کہونگا۔ بعد دفن متصل تثبیت قدم کیواسطے باجتماع الناس دعا مانگنا حدیث سے ثابت ہے سوا دفن و صلوٰۃ جنازہ کے اجتماع للمیت ثابت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم اسمٰعیل عفی عنہ خادم مدرسہ صالحیہ کلکتہ

اصاب من اجاب العبد عبدالرشید خادم مدرسہ صالحیہ کلکتہ

سراج گنج الجواب مواقع خمسہ مذکورہ پر اس التزام و اہتمام کے ساتھ جو سوال میں مذکور ہے۔ فاتحہ پڑھنا خلاف سنت و بدعت ہے۔ قرون ثلاثہ میں اس اہتمام کے ساتھ نام و نشان نہ تھا۔ بلکہ میت کو جہاں تک جلد ممکن ہو۔ کفنا کر دفن کرنے کا حکم ہے اور یہی طریقہ مسنونہ سلف صالحین تھا۔ چنانچہ شامی میں ہے۔ والافضل ان یعجل بتجہیزہ کلہ من حین یموت اور فتح القدیر میں ہے ویستحب الاسراع بتجہیزہ کلہ من حین یموت انتہیٰ۔ اور ظاہر ہے کہ موقع اول و ثانی پر فاتحہ پڑھنا مستلزم تاخیر و خلاف تعجیل مسنون ہے۔ چہ جائیکہ ایسا اہتمام بھی اس کے مصحوب ہو چنانچہ دوسرے عالم صاحب نے جو اقوال اپنے دعویٰ پر نقل کیا ہے۔ اسکے موید ہیں۔ اور باقی مواقع پر بھی فاتحہ پڑھنا اہتمام مالا یہم و التزام مالا یلزم کی وجہ سے خلاف سنت و مکروہ ہے۔ ہاں بعد دفن دعائے تثبیت و قراءۃ سورۃ بقرہ وغیرہ ادعیہ ماثورہ اور تھوڑی دیر کے لئے توقف کرنا بلا اہتمام و التزام کے افضل اور مستحب ہے۔ کیفیت مذکورہ اور اہتمام مزبور کے ساتھ کسی موقع پر ان مواقع میں فاتحہ خوانی درست نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص علاوہ نماز جنازہ کے بلا التزام و اہتمام کے اپنی خوشی سے جب جی چاہے

میت کے واسطے دعائے خیر کیا کرے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ احکم و اتم

کتبہ العبد الحقیر محمد زین العابدین غفر لہ مدرس مدرسہ سراج گنج ضلع پبنہ

بیشک ان مواقع پر جو سوال میں مذکور ہیں ایسے اہتمام و التزام کے ساتھ فاتحہ خوانی بدعت و خلاف سنت ہے اور عالم موصوف الصدر کا قول بالکل درست ہے۔

المجیب مصیب محمد موسیٰ عفی عنہ مختار گانتی

محمد رشید عفا اللہ تعالیٰ عنہ مدرس مدرسہ کالج عربی سراج گنج (ضلع پبنہ)

صح الجواب محمد عبدالقادر عفی عنہ (ضلع پبنہ) الجواب حاذی السوال۔ ابوالنور محمد عبدالغفور عفی عنہ سینئر مدرس مدرسہ سراج گنج (ضلع پبنہ)

الجواب صحیح محمد عبدالباری سابق مدرس مدرسہ سراج گنج (ضلع پبنہ) صح الجواب محمد رزا علی عفی عنہ مدرس دوم مدرسہ عالیہ سراج گنج (ضلع پبنہ)

الجواب - ان عالم صاحب نے جو فرمایا یہ بالکل صحیح ہے۔ میت کے لئے ان تخصیصات اور تقییدات کے ساتھ دعا کرنا اور خاص اہتمام کرکے مجمع کرنا کہیں ثابت نہیں۔ جہاں کہیں مروج ہے وہاں پر محض مقامی رواج ہے۔ جو شرع کے مقابل واجب الترک ہے۔ سوال میں اس قدر وضاحت ہے کہ جواب کی بھی ضرورت باقی نہیں رکھتی۔ کیونکہ فقہ کی انہی کتابوں سے عبارت لکھی جاتی سوا مستفتی میں خود موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فضل الرحمن عفی عنہ

الجواب - فقہا بتصریح گفتہ اند کہ بعد تسلیمتین ہیچ دعا نخوانند یا بعد تکبیر رابعہ دعائے نیست پس خواندن فاتحہ و لا سہ بار وثنا یا دو بار بکیفیت مذکورہ بالا و ہیئت مزبورہ صدر بدعت و خلاف سنت است زیرا کہ دران تاخیر در دفن لازم آید حالانکہ تعجیل در دفن فعل مامور بہ است بقولہ علیہ السلام عجلوا بدفن المیت قبل الحدث ونیز بر خواندن فاتحہ بترتیب بالا دلیلے از ادلۂ شرعیہ یافتہ نشدہ و این طریق از سلف صالحین ہم ماثور نگردیدہ و این صورت جز اختراع عوام چیزے دیگر نیست۔ البتہ بعد دفن ساعتے نزد قبر توقف نمایند و در دعا استغفار برائے میت مشغول باشند۔ واللہ اعلم بالصواب

كتبه الفقير الحقير الى رحمة ربه القدير اشرف على صانه الله تعالى عن الشر الخفي والجلي

نواکھالی

الجواب - عالم صاحب کا فرمانا بہت ٹھیک اور صحیح ہے۔ کہ فاتحہ خوانی اور تہلیل وغیرہ کے لئے میت کو گھر میں بند رکھنا یا اسکی تجہیز و تکفین میں دیر کرنا شرع سے ثابت نہیں۔ اور نہ ایسی حالت میں کسی مخترعہ طریقہ سے دعا کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ در حقیقت میت کے لئے دعا ہے۔ جو ارحم الراحمین سے شفاعت کے لئے کافی ہو کما روی عن عائشۃ رض ان النبی صلعم۔ قال ما من میت تصلی علیہ امۃ من المسلمین یبلغون مائۃ کلھم یشفعون لہ الا شفعوا فیہ۔ رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ یعنی حضرت عایشہ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ نہیں ہے کوئی مردہ کہ اس پر نماز جنازہ پڑھے۔ ایک گروہ مسلمانوں کا جنکے مقدار سو تک پہنچ جاوے۔ اور مردہ کے لئے مغفرت کی شفاعت کرے۔ مگر بیشک اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت اس میت کے لئے مقبول فرمائیگا یعنی اسکی مغفرت کریگا۔ نماز جنازہ کے سوا میت کے لئے جو دعا و قرآت بصورت اجتماعیہ شرع سے ثابت ہے۔ وہ بعد دفن کے ہے۔ کما جاء فی الحدیث۔ کان النبی صلعم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا اللہ التثبیت فانہ الآن یسئل۔ پس معلوم ہوا کہ جب کوئی آدمی مرجائے۔ تب اس کے کفن دفن کے سامان میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ اور بلا ضرورت شرعی کے اس میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ عجلوا بدفن المیت قبل الحدث یعنی جلدی کرو۔ دفن میں مردہ کے آگے حدث کے یعنی نکلنے پیشاب پلیدگی وغیرہ کے۔ و ایضاً عنہ صلعم لما عاد طلحۃ بن البراء وانصرف قال ما اری طلحۃ الا قد حدث فیہ الموت فاذا مات فاذنونی حتی اصلی علیہ وعجلوا بہ فانہ لا ینبغی بجیفۃ المسلم ان تحبس بین ظہرانی اھلہ یعنی اور بھی نبی صلعم سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم جب طلحہ بن البراء کی عیادت میں جاکر واپس آئے۔ تب فرمایا نہیں دیکھتا ہوں طلحہ کو مگر بیشک ظاہر ہوئی اس میں علامتیں موت کی جس وقت مرجائے اطلاع دو تم لوگ مجھ کو تاکہ اس پر نماز جنازہ پڑھوں۔ اور شتابی کرو تم دفن میں اسکے کیونکہ مردہ مسلم کے لئے لایق نہیں ہے کہ روکا جائے درمیان اہل کے اسکے۔ و ایضاً فی الدر المختار ویندب تعجیلہ۔ قال فی رد المحتار ای تعجیل جنازۃ لذا کرہ تاخیر صلوتہ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلوۃ الجمعۃ ویستحب ان یبادر الی تجہیزہ ولا یوخر کذا فی الجوہرۃ النیرۃ

والهندية وغيرهما۔ پس احادیث ومسایل فقہ سے صاف معلوم ہوا۔ کہ فاتحہ خوانی کے حیلہ سے میت کو بے محل وبے موقع روک رکھنا اور دفن میں تاخیر کرنا طریق مسنون ومشروع کے خلاف ہے پس مسلمانوں کو ایسے امور ناجائز سے ہمیشہ اجتناب چاہئے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد ادریس عفی عنہ مدرس اول مدرسہ اسلامیہ نواکھالی

نختبہ

ذالك كذلك احقر احمد اللہ عفی عنہ عالمپوری

الجواب مستقیم فیض محسن غلام مولیٰ غفرلہٗ

قد صح الجواب۔ احقر محمد عمر عفی عنہ (نشان مہر)

الجواب صحیح احقر حسین علی عفی عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ نواکھالی

لاریب فی صحۃ الجواب خاکسار محمد عبد السبحان عفی عنہ خادم مدرسہ اسلامیہ نواکھالی (نشان مہر)

مشتبہ

الجواب صحیح (نشان مہر)

الجواب صحیح العبد محمد عبد اللہ مدرس مدرسہ اسلامیہ نواکھالی

ڈھاکہ

الجواب۔ عالم صاحب کا جواب صحیح ہے۔ نماز جنازہ کے بعد دفن سے پہلے کسی دعا کی جو کہ سوال میں طریقہ مذکور ہے کوئی روایت نہیں ہے۔ البتہ موتیٰ کے ورثا جب چاہیں۔ بطور خود دعا کرتے رہیں۔ جب چاہیں زیارت قبور کریں۔ اور ان کے لئے دعا کریں۔ سو نماز جنازہ کے مجمع کر کے دعا کرنا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

ابو الفضل محمد حفیظ اللہ عفی عنہ مدرس اول مدرسہ ڈھاکہ

محمد عبد اللہ عفی عنہ سابق مدرس دوم مدرسہ ڈھاکہ

بلا التزام مالم یلزم اور بلا اہتمام اجتماع اپنی خوشی سے جب کوئی چاہے میت کے واسطے دعائے خیر کرے۔ فقط

محمد صمصام الدین مدرس مدرسہ عالیہ ڈھاکہ

سرائے میر

الجواب۔ صورت مسئولہ میں سوائے بعد دفن دعاء مغفرت کے اور کسی دعا کے لئے اجتماع اور اہتمام احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں۔ وہاں جو ادعیہ رائج ہیں۔ ان کو اگر لوگ ادعیہ شرعیہ سمجھتے ہیں۔ تو بیشک خلاف سنت ہے۔ نماز جنازہ کے علاوہ مردہ کے لئے کسی دوسرے اہتمام واجتماع کا ثبوت احادیث سے نہیں ہوتا۔ فرداً فرداً ہر شخص جس قدر چاہے دعا کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ محمد عبد الرحمٰن الندوی النگرامی معلم اللغۃ العربیۃ فی کلیۃ الاصلاح ۴ ہم رجادی الثانی ۱۳۳۵ھ

الجواب صحیح والرای نجیح
محمد احمد عفا عنہ الصمد

قد اصاب فیما اجاب واللہ اعلم
شبلی ندوی ناظر الاصلاح

صح الجواب واللہ اعلم بالصواب
عبد الغفور عفی عنہ

ہاٹھزاری چاٹگام

الجواب۔ سوال مذکورہ میں جو مولانا فرماتے ہیں۔ کہ ان مختلف اوقات میں کیفیت مذکورہ کے ساتھ فاتحہ پڑھنا بدعت خلاف سنت ہے۔ بالخصوص جبکہ تارک کو قابل ملامت سمجھتے ہیں۔ سو مولانا کا فرمانا نہایت صحیح ہے۔ شریعت کے قواعد کے مطابق ہے۔ فاتحہ ایسے طریقہ مخصوصہ سے پیغمبر خدا صلعم اور خلفائے راشدین حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم وغیرہ اصحاب رسول اللہ صلعم سے جنازے میں پڑھنا منقول نہیں۔ اور نہ زمانہ تابعین وتبع تابعین میں ایسی کیفیت سے فاتحہ پڑھنی منقول ہے۔ اس لئے یہ طریقہ بدعت سیئہ ہوا کیونکہ عبادات محضہ ایسی کیفیت سے کرنی جو قرون ثلاثہ میں نہ تھی بدعت ہے۔ مجالس الابرار میں بدعت سیئہ کے بیان میں منقول ہے وهذا المعنى اراد عبد الله بن مسعود لما أخبر بالجماعة الذين كانوا يجلسون بعد المغرب وفيهم رجل يقول كبروا الله كذا وكذا وسبحوا الله كذا وكذا واحمدوا الله كذا وكذا فحضرهم فلما سمع ما يقولون قام فقال انا عبد الله بن مسعود فوالله الذي لا اله غيره لقد جئتم ببدعة ظلماً ولقد فقتم

علی اصحاب النبی یعنی ان ما جئتم بہ اما ان یکون بدعۃ ظلما او انکوندا دکتم علی الصحابۃ ما فاتہم لعدم تنبہہا ولتکاسلہم عنہ فلستم ہم من حیث العلم بطریق العبادۃ والثانی منتف فتعین الاول وہو کونہ بدعۃ ظلماً وہکذا یقال بکل من اتی فی العبادات البدنیۃ المحضۃ بصفۃ لم تکن فی زمن الصحابۃ انتہی۔ مدارج النبوت میں ہے۔ وعادت نبود کہ برائے میت جمع شوند وقرآن خوانند وختمات خوانند بر سر گور ونہ غیر آن واین مجموع بدعت ست انتہی عالمگیری جلد اول میں ہے۔ ویکرہ عند القبر مالم یعہد من السنۃ والمعہود منہا لیس الا زیارتہ والدعاء عندہ قائما کذا فی البحر الرائق انتہی۔ عالمگیری کتاب الکراہتہ میں ہے۔ قرادت الکافرون مع الجمع مکروہۃ لانہا بدعۃ لم ینقل عن الصحابۃ والتابعین کذا فی المحیط انتہی اور کبیری شرح منیہ میں ہے۔ ومنہا ان الصحابۃ والتابعین ومن بعدہم من الائمۃ المجتہدین لم ینقل عنہم ہاتان الصلوتان فلو کانتا مشروعتین لما فاتتا عن السلف انتہی اور صاحب مجالس الابرار بھی صلوۃ رغائب کی کراہت کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں۔ لکونہا من محدثات الامور لعدم وقوعہا فی عصر الصحابۃ والتابعین ولا فی عہد الائمۃ المجتہدین انتہی۔ اس قسم کی عبارات کتب فقہ میں بکثرت موجود ہیں۔ ان عبارات مرقومہ سے بخوبی واضح ہوگیا کہ عبادت ایسی کیفیت سے کرنی جو سلف سے منقول نہ ہو بدعت ہے۔ سو فاتحہ مندرجہ سوال پڑھنا بھی منقول نہیں اس واسطے وہ بھی بدعت ہے۔ خاصکر جب التزام واہتمام کے ساتھ کی جاوے تو اور بھی کراہت بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے کہ امور مستحبہ بھی التزام اور اہتمام کے سبب سے بدعت ہو جاتے ہیں۔ صاحب مجمع بھی تحریر فرماتے ہیں۔ استنبط منہ ان المندوب ینقلب مکروہا اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ الخ اصل ایسی کیفیت مخصوصہ سے فاتحہ پڑھنا بدعت ہے۔ اسکو ترک کرنا ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدث بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔ ہذا جمیع ما حضرلی الآن واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

نمقہ العبد الضعیف فیض اللہ عفا اللہ عنہ

جواب موافق کتاب کے ہے۔ حبیب اللہ مہتمم مدرسہ معین الاسلام

الجواب صحیح بندہ ضمیر الدین احمد عفی عنہ　　الجواب صحیح سعید احمد مدرس مدرسہ معین الاسلام

صح الجواب ہکذا حکم الکتاب بندہ عبدالکریم مدرس مدرسہ معین الاسلام ہاٹہزاری

الجواب صحیح بندہ افاض الدین عفی عنہ مدرس مدرسہ معین الاسلام

آرے فاتحہ مروجہ مرسومہ مسئولہ بحسب فرمان مولانا مشار الیہ بدعت ست چہ نام ونشان آن بزمانہ خیر قرون نبود حضرت مولانا محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ در مائۃ مسائل میفرمایند امریکہ منقول نباشد از آنحضرت وصحابہ وتابعین غیر مشروع است. چنانچہ صاحب ہدایہ چندجا عدم نقل را از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ تعالی عنہم این طور دلیل کراہت گرفتہ است. منہا فی کتاب الصلوۃ یکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر لانہ علیہ السلام لم یزد علیہا ومنہا ما قال فی باب العید لا یتنفل فی المصلی قبل العید لانہ لم یفعل ومنہا ما قال فی کتاب الحج من احرم وفی بیتہ او فی قفص معہ صید فلیس علیہ ان یرسلہ الی قولہ ان الصحابۃ رضوان اللہ علیہم لم ینقل عنہم ارسالہا ونیز در فتاوی عالمگیری

نصاب الاحتساب استدلال بعدم نقل از صحابہ وتابعین کردہ اند فی عالمگیریہ قرأت الکافرون الی الاخر مع الجمع مکروھۃ لانہا بدعۃ لم ینقل ذلک عن الصحابۃ والتابعین وقال فی نصاب الاحتساب قرأۃ الکافرون الی الاخر مع الجمع مکروھۃ لانہا بدعۃ لم ینقل ذلک عن الصحابۃ والتابعین وھکذا الدعاء عند ختم القرآن بجماعۃ لان ھذا لم ینقل عنہ صلی اللہ علیہ وسلم پس ازین روایت معلوم شد کہ عدم نقل از حضرت وصحابہ وتابعین دلالت بر بدعت وکراہت فعل دارد واصرار بر بدعت مکروہ گناہ کبیرہ است انتہی +

لاجرم شک نیست کہ فاتحہ مروجہ مرسومہ پس وپیش جنازہ بدعت است۔ وخواندن ادعیہ بجز در ضمن صلوۃ جنازہ وبعد دفن وقرب قبر برائے تثبیت وے بسنت ثابت نمی شود البتہ اگر کسی بلا اہتمام والتزام وبلا تداعی واجتماع چیزے سراً وخفیۃً برائے نفس خود یا برائے نفع موتی بخواند ہیچ مضایقہ ندارد +

عبدالمجید غفرلہ

بھوپال

الجواب میت کے انتقال کے بعد سے جب تک اس کے دفن سے بالکل فارغ ہوتے ہیں۔ اور گھر کو واپس آنے لگتے ہیں۔ اسی درمیان میں ایک تو نماز جنازہ ہے کہ یہ بھی میت کے لئے دعا ہے۔ دوسرے دعا وہ ہے۔ کہ دفن کر دینے کے بعد سب موجودین۔ قبر کے گرد وپیش میت کے لئے دعا کریں۔ اس دعا کی اصل بھی حدیث شریف سے پائی جاتی ہے۔ اور علمائے متبحرین وسلمین اہل دین کا عمل اس پر بھی ہے۔ اس کے علاوہ درمیان میں بار بار داجتماع واہتمام سے۔ فاتحہ پڑھنے کی جب تک کوئی دلیل نہ ہو۔ تو یہ کام ایک بے دلیل بات ہے جس کو دین میں داخل نہ کرنا چاہئے

۲۹ جمادی الاولی ۱۳۳۵ھ محمد یحیے المفتی ریاست بھوپال [illegible] نقل کردہ شد نمبر ۹۰

الجواب۔ صور مروجہ فاتحہ علی المیت مندرجہ استفتاء کے بارے میں ناجوازی کا فتوے جن عالم فاضل نے دیا ہے۔ وہ بالکل صحیح ودرست ہے۔ موافق کتاب وسنت واقوال فقہاء کرام کے اس میں کوئی تامل نہیں کہ رسومات مذکورہ محدث فی الدین لایق رد وانکار حسب ارشاد ہدایت بنیاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حیث قال من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد۔ نہ زمن خیر القرون میں وجود صور مذکورہ پایا جاتا ہے۔ اور نہ ائمہ اجتہاد فی الدین سے ثبوت ملتا ہے۔ بالجملہ یہ صور خلاف ما انزل ہیں۔ اور قرآن شریف اتباع کو منحصر ما انزل میں فرماتا ہے۔ فقط ۲۵ جمادی الاخری ۱۳۳۵ھ ۱۸ اپریل ۱۹۱۷ء

محی الدین احمد خان عفی عنہ قاضی ریاست۔ تحریر نمبر ۳۵۵

پانی پت

الجواب۔ جو عالم اور مولوی صاحب یہ فرماتے ہیں۔ کہ بعد دفن متصل قبر پر دعا مانگنا کتب احادیث وفقہ سے ثابت ہے۔ باقی ادعیہ مذکورہ سوال بدعت اور خلاف سنت ہیں۔ یہ امر حق اور درست ہے

محمد خلیل اللہ عفی عنہ

یہ سب خلاف شریعت ہیں مسلمانوں کو نہ کرنی چاہئیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ العبد عبدالسلام عفی عنہ انصاری ۲ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ

لاہور

صورت مذکورہ میں جو کچھ مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ بجا ودرست ہے۔ واقعی مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں دعا بہیئت مذکورہ وکیفیت مزبورہ کی تصریح سوا دعا بعد الدفن احادیث نبوی میں کہیں نہیں پائی گئی قال فی السراجیۃ لیس فی صلوۃ الجنازۃ دعاء موقت اذا فرغ من الصلوۃ لا یقوم بالدعاء بیشک ہر شخص

بعد نماز جنازہ بغیر التزام مالم یلزم و بغیر اہتمام و بغیر اجتماع جب جی چاہے میت کے واسطے ہر وقت دعا کر سکتا ہے پس مولوی صاحب کا قول حق ہے۔ فقط والسلام مع الاکرام نور الحسن ناظم العلوم انجمن نعمانیہ لاہور

سرسہ ضلع حصار الجواب۔ یہ عالم صاحب بہت ہی صحیح و درست فرماتے ہیں۔ نماز جنازہ کے علاوہ صرف میت دفنا چکنے کے بعد اجتماعی طور پر دعا مانگنے کا ثبوت ہے۔ اور بس۔ اس کے سوا جس قدر دعاؤں کا میت کے لئے رواج ہو رہا ہے سب من گھڑت اور عقلی ڈھکوسلے ہیں۔ اور بالکل خلاف سنت۔ . . . . پھر لطف یہ کہ ان کو فرائض سے بھی کئی نمبر بڑھا دیا ہے۔ جس قدر ان کے تارک کو لتاڑ بتائی جاتی ہے۔ اس قدر تارک ارکان اسلام کو بھی نہیں دھتکارا جاتا۔ حق تعالی ہدایت فرمائیں + امین۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

کتبہ خیر الدین احمد سرسوی عفی عنہ (مہر مدرسہ اسلامیہ)

ریواڑی بیشک مولوی صاحب نے جن کا سوال میں ذکر ہے۔ جو کچھ فرمایا بجا اور درست ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ ان کی تائید مزید میں یہ بات بھی ضروری قابل یاد ہے۔ کہ کفنانے کے بعد میت کو جنازے میں رکھکر اور نماز جنازہ کے بعد جنازہ اٹھانے سے پہلے روک کر فاتحہ خوانی میں بدعت ہونے کے علاوہ ایک اور بڑی کوتاہی یہ ہے کہ ترک سنت کا ارتکاب ہوتا ہے۔ کیونکہ میت کا دم نکلتے ہی جلد سے جلد تیاری کر کے جہاں تک ممکن ہو اول منزل پہنچانا مسنون طریقہ ہے کما قال ابن الحاج المتوفی ۷۳۷ھ فی کتابہ المدخل ان بعض الناس من یعتنون بہ من الموتی یترکونہ بعد ان یصلی علیہ فی المسجد و یقفون عندہ یدعون و یطولون فی الدعاء و بعضہم یفعل ما ھو اکثر من ذلک و ھو تکبیر المؤذنین اذ ذاک علی ما تقدم من زعقاتہم و یطولون فی ذالک والسنۃ التعجیل بالمیت الی دفنہ و مواراتہ فعلم بضد ذالک فلیحذر من ھذا جلد ثالث صفحہ ۲۲۸ ہاں میت کے لئے علاوہ نماز جنازہ اور دعا بعد دفن کے بغیر اجتماع و اہتمام جب کوئی چاہے دعائے خیر کرنا بالاتفاق درست ہے +

حررہ العبد الاثیم ابو الفیض عبد الرحیم ساکن ریواڑی ۱۴ رجب ۱۳۳۵ھ

جیند جنازہ کو کفنانے کے بعد لوگوں کو روک کر جو دعا مانگتے ہیں۔ حدیث اور کتب فقہ معتبرہ سے ثابت نہیں ہے پھر بعد فراغ نماز جنازہ اٹھانے سے پہلے لوگوں کو روک کر جو دعا پڑھتے ہیں اس کا بھی ثبوت کتب معتبرہ فقہ اور حدیث سے نہیں ہے۔ اور بعد دفن میت کے دعا مانگنا واسطے اطمینان اور تثبیت میت کی حدیث سے ثابت ہے۔ جب واپسی میں قبرستان کے دروازہ پر پہنچتے ہیں۔ اس کا بھی ثبوت کتب حدیث اور فقہ سے نہیں ہے۔ اور گھر پر جا کر بہ ہیئت مجموعی سب لوگ جمع ہو کر دعا پڑھتے ہیں۔ اس کا ثبوت بھی کتب حدیث اور فقہ سے نہیں ہے۔ ان عالم صاحب کا فرمانا بموجب حدیث اور فقہ کے صحیح ہے۔ اور انہوں نے جو سندیں کتب حدیث اور فقہ سے لکھی ہیں صحیح ہیں +

الراقم۔ فقیر محمد یوسف ۲۱۔ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ (نشان مہر)

سہارنپور الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد قراۃ قرآن اور اس کا ثواب بخشنا میت کو بلا التزام کسی خصوصیت کے مذہب اہل حق ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ البتہ جو التزام خصوصیات سوال کے اندر مذکور ہیں۔ ان کے ساتھ مواقع مذکورہ پر قرأت قرآن یا دعا احادیث سے ثابت نہیں۔ اور نہ اہل حق کا ان پر تعامل ہے۔ البتہ اتنا ثابت ہے۔ کہ بعد دفن میت خود حضور صلعم دعا فرماتے تھے۔ اور مجمع سے میت کے لئے دعا کراتے تھے

پس غسل دینے کے وقت یا دیگر مقامات مذکورہ فی السوال میں التزام قرأت خصوصاً بہئیت کذائیہ بدعت سیئہ ہوگا۔ خصوصاً جبکہ تارک پر ملامت ہونے لگے +

ویستحب حثیہ من قبل رأسہ ثلثا وجلوس ساعۃ بعد دفنہ لدعاء وقراۃ بقدر ما ینحر الجزور ویفرق اللحم لما فی سنن ابی داؤد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا اللہ التثبیت فانہ الان یسأل۔ شامی کتاب الجنائز

پس ان عالم صاحب کا قول جن کا ذکر سوال میں ہے۔ ٹھیک اور صواب ہے۔

کتبہ احقر العباد الحافظ عبد اللطیف عفی عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	المجیب مصیب
خلیل احمد عفی عنہ	عنایت الٰہی عفی عنہ مہتمم مدرسہ	بندہ عبد الرحمن عفی عنہ	عبد الوحید عفی عنہ	بندہ محمد الیاس اختر عفی عنہ

رڑکی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ بیشک عالم مذکور کا فرمان صحیح اور موافق قرآن و حدیث و اقوال علمائے محققین ہے۔ فاتحہ مروجہ اوقات مذکورہ میں مکروہ و بدعت سیئہ ہے۔ ان اوقات میں نہ احادیث میں کہیں ثبوت ہے اور نہ فقہ حنفیہ میں کہیں پتہ ہے بلکہ کلیات و جزئیات اسکی مکروہ ہونے پر دال ہیں + واللہ اعلم بالصواب

کتبہ خاکسار ظہور محمد عفی عنہ مدرس مدرسہ رڑکی ضلع سہارنپور

الجواب صحیح محمد حسن خان عفی عنہ مدرس مدرسہ رحمانیہ — الجواب صحیح محمد اسمٰعیل مدرس مدرسہ رحمانیہ رڑکی

لکھنو

صورت مسئولہ میں بعد کفنانیکے اور غسل دینے سے پہلے اور بعد غسل دینے کی فاتحہ پڑھنے کا ثبوت کتب فقہ و حدیث میں نہیں ہے۔ بلکہ فقہا و محدثین اس امر کے قائل ہیں کہ صلوٰۃ جنازہ جو بہئیت صلوتیہ ادا کی جاتی ہے خود دعا ہے۔ دوسری دعا کی حاجت نہیں۔ ملا مسکین شرح کنز میں تحریر فرماتے ہیں۔ لان صلوۃ الجنازۃ دعاء انتہی اور ردمحتار میں ہے۔ والمقصود منہا الدعاء اور ہدایہ میں ہے۔ فان صلوا علی جنازۃ رکبانا اجزاھم فی القیاس لانہا دعاء انتہی ہاں بعد دفن کے قبر کے پاس ٹھیرنا دعا کیواسطے یہ مسنون ہے۔ اور فقہا و محدثین الی یومنا ھذا عامل رہے ہیں۔ چنانچہ جوہرہ میں ہے۔ ویستحب اذا دفن المیت ان یجلسوا ساعۃ عند القبر بقدر ما ینحر جزور ویقسم لحمہا یتلون القرآن ویدعون للمیت انتہی اور سنن ابوداؤد کے باب الاستغفار عند القبر للمیت میں ہے عن عثمان قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ عن دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم وسلوا لہ بالتثبیت فانہ الان یسئل۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبد الباری الانصاری غفر اللہ لہ الباری حفید العلامۃ ملا محمد مبین شارح السلم و المسلم اسکنہ اللہ فی اعلی علیین و افاض علینا من برکاتہ و برکات مشائخہ الکاملین

صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ العاصی محمد عبد العزیز غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ (نشان مہر)

یہ جواب صحیح ہے۔ کتبہ محمد شفیع حجت اللہ الانصاری الفرنگی محلی لکھنو

اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب

حررہ الفقیر محمد واثق عفا اللہ عنہ

ٹونک

الجواب اللہ الموفق للسداد والصواب۔ از عدالت شرع شریف صدر ریاست اسلام ٹونک
مضمون بیان کردہ مولوی صاحب مندرجہ سوال صحیح ہے۔ بیشک طریق مروجہ مندرجہ سوال سنت نبویہ علی صاحبہا
الصلوٰۃ والسلام وکتب فقہیہ سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ دعاء مغفرت میت کے واسطے بے اعتقاد لزوم اور بے اعتقاد
خصوصیت کسی وقت ومکان وہیئت کے مطلقاً جائز ہے۔ اور خصوصیت وقت وہیئت نماز جنازہ کیواسطے شرع شریف
میں ثابت ہوئی ہے۔ اور ایسے ہی بعد دفن میت کیواسطے دعاء مغفرت ثابت ہے۔ واللہ اعلم ۱۲ر جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ

مواہیر ودستخط مفتیان کرام عدالت شرع شریف صدر ریاست اسلام ٹونک

خادم شرع خلیل الرحمن عفی عنہ	انوار الحسن عفی عنہ	خادم شرع محمد۔ نور الحق عفی عنہ	عبد الرحیم عفی عنہ
نشان مہر	نشان مہر	نشان مہر	نشان مہر

مہر عدالت شرع شریف

مینڈو ضلع علیگڈھ

الجواب۔ نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ جو نوعیت فاتحہ کی سوال میں مذکور ہے (یعنی اجتماع کا اہتمام کرکے مختلف اوقات ومختلف مجالس میں فاتحہ پڑھنا) اس کیواسطے
شریعت مطہرہ محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ میں کوئی اصلیت نہیں۔ قواعد شرعیہ اسلامیہ کے لحاظ سے اس کا محدث
اور بدعت ہونا ظاہر ہے۔ خاصکر ایسی حالت میں کہ تارک کو مطعون اور ملوم ٹھیرایا جائے۔ لہذا اس سے اجتناب ضروری کہ
التزام مالا یلزم کو شریعت نے سختی سے رد کیا ہے۔ اگرچہ وہ قبیلہ مستحبات ہی سے کیوں نہ ہو۔ البتہ بعد دفن میت کے قبر پر
کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھنا ضرور ثابت ہے۔ فی مسلم عن عمرو بن العاص قال لابنہ وھو فی سیاق الموت اذا انا مت
فلا تصحبنی نائحۃ ولا نار فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور و
یقسم لحمہا حتی استانس بکم الحدیث (ای بدعائکم واذکارکم وقرأتکم واستغفارکم)
وفی ابی داؤد انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان اذا فرغ من دفن الرجل یقف علیہ ویقول استغفروا
اللہ لاخیکم واسئلوا لہ التثبیت فانہ الان یسئل
اسکے سوا اور کہیں بھی اجتماعی حیثیت سے اموات کیواسطے فاتحہ کا اہتمام کرنا شارع علیہ السلام سے ثابت نہیں ہاں
ہر شخص کو انفرادی حیثیت سے اختیار ہے۔ جب چاہے اموات کیواسطے استغفار و دعا کرے۔ اس واسطے کہ استغفار و دعا
اموات کے حق میں بہترین تحائف سے ہے۔
فی مشکوٰۃ المصابیح عن عبد اللہ بن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما المیت فی القبر الا کالغریق
المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا وان
اللہ تعالی لیدخل علی اہل القبور من دعاء اہل الارض امثال الجبال وان ہدیۃ الاحیاء الی الاموات
الاستغفار لہم

امجد علی عفی عنہ صدر مدرس ادام اللہ مجدہم

محمد عرفان عفی عنہ مدرس مدرسہ مینڈو ضلع علیگڈھ (مہر مدرسہ عربیہ)

میرٹھ

الجواب۔ اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ
بندہ کے نزدیک کیفیت مذکورہ فی السوال فاتحہ پڑھنا واقعی بدعت اور خلاف سنت ہے۔ کہ اس کا ثبوت

نہ زمانہ سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتحیات میں ہے نہ خیر القرون زمانہ ہائے تابعین و تبع تابعین میں۔ بلکہ اب بھی بلاد اسلامیہ اور ہند کے اکثر اطراف اس سے خالی اور لاکھوں کہا مسلمانان عالم اس سے ناآشنا و ناواقف ہیں۔ اور بدعت کے بدعت ہونے کیلئے یہ علامت بھی کافی ہے۔ کہ چونکہ اس کا وجود اختراعی اور اپنا تجویز و قائم کردہ ہوتا ہے۔ اسلئے کہیں ہوتا کہیں نہیں۔ اور کہیں کسی طرح ہوتا ہے۔ تو دوسری جگہ دوسری طرح۔ برخلاف وظایف شرعیہ و اعمال مسنونہ کے چونکہ وہ حسب تعلیم شارع ہیں۔ اسلئے ہر ملک اور ہر قرن میں مساوی ہوتے ہیں۔ چنانچہ نماز و روزہ رمضان و حج البیت وغیرہ کی صورت معینہ اسکی دلالت واضحہ ہے ٭

فقہاء کی تصریحات جو سوال میں مذکور ہیں۔ اس ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ کہ نماز جنازہ خود دعا ہے۔ اور فقہا رحمہم اللہ نے نماز جنازہ کے بعد دعا کو مکروہ فرمایا ہے۔ اگر یہ تصریحات نہ بھی ہوتیں تب بھی چونکہ شارع علیہ السلام اور حضرات صحابہ کرام و ائمہ عظام سے فاتحہ مروجہ مذکورہ فی السوال منقول نہیں ہے۔ لہذا اسکو بدعت کہا جاتا۔ کہ محل بیان میں شارع کا کسی امر کو بیان نہ کرنا کتمان حق و قصور فی التبلیغ ہے۔ چنانچہ علامہ شامی نے نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے کو مکروہ لکھا اور دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ خیر القرون میں منقول نہیں۔ عالمگیری میں ہے قراءة الکافرون الی الاخر مع الجمع (کما تکون فی صلوٰة الرغائب) مکروھة لانھا بدعة لم ینقل عن الصحابة والتابعین۔ جب خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رشتہ داروں و مخلصین صحابہ کے اکثر جنازوں میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ اور آپ کے بعد حضرات صحابہ و تابعین و تبع تابعین کو بھی ہزارہا اور لاکھوں اتفاق شرکت ہائے جنازہ کے پیش آئے۔ اور کہیں کسی سے مطلق بھی اس کا ثبوت نہیں کہ نماز جنازہ کے بعد اجتماع و اہتمام سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی گئی ہو۔ یا قبرستان کے دروازہ پر پہنچکر لوگوں کو روک کر دعا مانگی گئی ہو۔ یا میت کے مکان پر واپس آکر فاتحہ پڑھی گئی ہو۔ تو یہ اس کا کھلا ثبوت ہے کہ بدعت ہے ٭

ہاں دفن سے فارغ ہونے کے بعد نحر جزور کی مقدار وقت تک قبر پر مردہ کے لئے سوال منکر و نکیر کی سہولت اور فشار قبر سے نجات و مغفرت و نزول رحمت بر میت کی دعا مانگنا خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے۔ اور اب تک منقول و ماثور و مروج برواج شرعی چلا آتا ہے۔ لہذا وہ بلا نکیر مستحب و محمود ہے۔ باقی اس پر قیاس کر کے دوسری دعاؤں کا اضافہ کرنا نہ اپنا منصب ہے اور نہ جائز ہے اور نہ اس میں مردہ کے لئے کسی قسم کی فلاح و منفعت کی توقع کیونکہ خلاف سنت کوئی امر بھی عند اللہ مقبول نہیں ہے ٭

پس سوال میں فاتحہ باجتماع و اہتمام کے جو اوقات بھی مذکور ہیں۔ دعا وصلوٰة جنازہ اندرون نماز معینہ اور دعا عند القبر بلا نماز بہیئت مسنونہ کے علاوہ سب غیر مشروع و بدعت ہیں۔ ان میں سے جن پر اصرار نہیں۔ ان میں اس لئے کراہت ہے کہ خیر القرون میں منقول نہیں۔ فقہا و ائمہ سے ثابت نہیں۔ اپنے تجویز کردہ و اختراعی افعال ہیں؟ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد ارشاد نبوی کے بموجب غیر مقبول ہیں۔ بمقتضائے حدیث کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار گمراہی و سبب دخول نار ہیں۔ وظیفۂ شارع اور تعلیم فرمودہ پیغمبر پر اضافہ ہیں۔ اور اگر ان کو مستحب سمجھا گیا۔ تب تجاوز عن الحدود الشرعیہ بھی ہے۔ اور جن پر اصرار کیا جاتا ہے۔ اور تارک و مانع پر ملامت ہوتی ہے تو علاوہ قبائح مذکورہ کے التزام مالم یلزم اور اصرار علی التقبیح بھی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ انصاف کی نظر اور حق کی طلب اور بارگاہ رسالت کی سچی محبت و عظمت عطا فرمائے۔ تو انشاء اللہ ذرا غور سے سمجھ میں آجائیگا۔ ورنہ مناظرہ و مباحثہ کے لئے تو صدہا اور دفاتر

بھی کافی نہیں و اخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین و الصلوۃ و السلام علی شفیعنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم و الہ و اصحابہ اجمعین

حررہ بقلم عاشق الٰہی عفی عنہ میرٹھ شہر ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (نشان مہر)

گلاوٹھی ضلع بلند شہر

الجواب۔ نماز جنازہ کے بعد حدیث شریف سے تو صرف بعد فراغت دفن دعاء استغفار وغیرہ ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے عن عثمان بن عفان قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم و اسألوا اللہ بالتثبیت فانہ الاٰن یسئل مشکوۃ شریف میں ہے۔ عن جابر قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی سعد بن معاذ حین توفی فلما صلی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و وضع فی قبرہ وسوی علیہ سبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسبحنا طویلا ثم کبر فکبرنا فقیل یا رسول اللہ لم سبحت ثم کبرت قال لقد تضایق علی ھذا العبد الصالح قبرہ حتی فرجہ اللہ عنہ رواہ احمد حصن حصین میں ہے۔ یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورۃ البقرۃ وخاتمتہا۔

اور یہ طریق فاتحہ خوانی کا بہیئت مندرجہ سوال قرآن اور حدیث اور فعل صحابہ اور من بعدہم من التابعین وتبع تابعین اور قول مجتہد سے ثابت نہیں ہوتا۔

شیخ رح نے اپنے ترجمہ مشکوۃ میں لکھا ہے۔ اتباع وے باید کرد بسا امرے محمود کہ در حد ذات فضیلت وارد و اما خصوص تعامی وارد نشدہ و درست نیامدہ چنانچہ مصافحہ بعد از نماز و امثال آں انتہی ایسا ہی لمعات میں لکھا ہے۔ فالزیادۃ فی مثلہ نقصان فی الحقیقۃ کما لا ینادی الا ذان بعد التہلیل محمد رسول اللہ و امثال ذلک کثیر انتہی

پس فاتحہ بہیئت مرقومۃ السوال بدعت و مکروہ تحریمی ہے۔ اولاً اس لئے کہ اس طرز مخصوص کے ساتھ کہیں کتاب و سنت و قرون ثلثہ سے منقول نہیں۔ ثانیاً اس لئے کہ اس پر ایسا عمل درآمد ہو گیا کہ ترک اس کا نفوس پر دشوار ہے تو ایسے التزام مالا یلزم سے مباح بلکہ مندوب بھی منہی عنہ ہو جاتا ہے کیونکہ حدود الٰہیہ سے تعدی ہو کر جدید واجب کا ایجاد ہوا۔ قال اللہ تعالیٰ و من یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظلمون مسلم شریف میں ہے عن مجاھد قال دخلت انا و عروۃ بن الزبیر رض المسجد فاذا عبد اللہ بن عمر رض جالس الی حجرۃ عائشہ رض و ان الناس یصلون الضحی فی المسجد فسألناہ عن صلوتہم فقال بدعۃ دیکھو اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جس شے کی اصل بھی ثابت ہو وہ بھی ہیئت شرعی کے بدل دینے سے بدعت ہو جاتی ہے غرض سنت میں فرض کا سا اہتمام اور مستحب میں واجب کا سا انتظام اور حلال سے مکروہات کا سا احتراز یہ سب اشیاء کو بدعات میں کر دیتا ہے۔ فقط

حررہ احقر العباد بندہ کریم بخش عفی عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ گلاوٹھی ضلع بلند شہر مورخہ ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ (نشان مہر)

الجواب صحیح محی الدین احمد مدرس و مہتمم مدرسہ ہذا

خورجہ ضلع بلند شہر

الجواب اما بعد۔ بعد دفن میت کیواسطے دعا مانگنا۔ بعد درستی قبر رخصت کے وقت کتب فقہ و حدیث سے ثابت ہے اور اسی پر علمائے ربانی کا تعامل ہے۔ اسکے علاوہ اور کسی فاتحہ کے لئے اجتماع و اہتمام کا ثبوت نہیں۔ لہذا دیگر ادعیہ مذکورۃ السوال کا التزام اور انکو قربت جاننا بدعت اور التزام مالا یلزم ہے۔ الحاصل۔ اجتماع و اہتمام کے ساتھ دفن کے بعد صرف قبر پر دعا کا مانگنا اور میت کے لئے استغفار

کرنا ثابت ہو بقیہ اور مواقع مذکورہ فی السوال وغیرہ میں بدعت ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

حررہ العبد الحقیر الفقیر محمد مبارک حسین محمودی حنفی سنی سنبھلی عفا اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ مدرس اول مدرسہ قاسم العلوم خورجہ ضلع بلند شہر مورخہ ۱۰ جمادی الثانی یوم سہ شنبہ وقت ۲ بجے دن

الجواب صحیح محمد عمر عفی عنہ مدرس مدرسہ — الجواب صحیح سراج احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ

سنبھل ضلع مراد آباد

یہ عالم صاحب جو فرماتے ہیں یہی حق ہے اور یہ بار بار فاتحہ اس اہتمام کے ساتھ لوگوں کو جمع کرکے پڑھنا اور اسکو ضروری سمجھنا اور تارک پر ملامت کرنا سب جہالت اور بدعت ہے جو بات خیر القرون میں موجود نہیں ہے۔ اپنی طرف سے ایجاد کرنا زیادتی فی الدین ہے اور اس میں ہرگز برکت نہیں ہوسکتی اور نہ اس میں ثواب ہو اور نہ ایسا کام مقبول ہو بلکہ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد ہیں داخل ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب کتبہ سید احمد عفی عنہ دنشان مر،

شاہجہان پور

الجواب۔ بیشک مولوی صاحب کا قول صحیح ہے۔ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں کہیں اس طریقہ مروجہ کا پتہ نہیں ہے۔ دین میں نئی ایجاد ہے۔ اس پر التزام و اصرار کرنا اور ضروری و موکد خیال کرنا اور تارک کو قابل ملامت و شناعت سمجھنا اور بھی اسکے بدعت سیئہ ہونے کو موکد کر دیتا ہے۔ ملا علی قاری وطیبی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں: من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزماً ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطن من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ ومنکر یعنی جس شخص نے کسی امر مستحب پر اصرار کیا اور اسکو ضروری سمجھ لیا۔ اور رخصت پر عمل نہ کیا اس سے شیطان گمراہی کا حصہ حاصل کر لیتا ہے۔ پھر ایسے شخص کا تو کیا کہنا ہے۔ جو کسی امر بدعت ومنکر پر اصرار کرتا ہو۔

ہاں البتہ بعد دفن میت قبر کے متصل دعا مانگنا اجتماعی حیثیت سے بھی سنت ہے۔ اور پھر بلا قیود مذکورہ والتزام واصرار کے جس وقت چاہے دعائے خیر کرتا رہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ احقر محمد عبد الغنی غفرلہ مدرس مدرسہ عین العلم شاہجہان پور

لقد اصاب من اجاب۔ محمد اشرف علی عفی عنہ مدرس مدرسہ عین العلم شاہجہان پور

الجواب صواب۔ بندہ مسکین سید سلطان حسن غفرلہ مدرس مدرسہ عین العلم شاہجہان پور

المجیب مصیب۔ بندہ محمد رفیع عفی عنہ مدرس مدرسہ سعیدیہ — الجواب حق محمد عبد المجید غفرلہ

الجواب صحیح سراج الدین عفی عنہ شاہجہان پوری

بعد از دفن دعا کا ثبوت حدیث سے ہے۔ حیث ورد اسألوا اللہ لہ التثبیت فانہ الآن یسأل۔ یعنی تم اس میت کے واسطے ثبات کی توحید الٰہی و رسالت محمدی پر دعا مانگو اس واسطے کہ اس وقت منکر نکیر اس سے سوال کر رہے ہیں۔ اور حضرت سعد کے واسطے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح پڑھی۔ اور دعائے رفع ضغطہ قبر کی۔ باقی اور دعاؤں کا ثبوت بالالتزام حدیث میں نہیں آیا ہے۔ اور روایات فقہ مذکورہ سوال سے دعا بعد صلاۃ جنازہ مکروہ ہے۔ اس واسطے کہ صلاۃ جنازہ خود دعا ہے۔ اب دعا کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ العبد المسکین غلام محی الدین عفی عنہ

الجواب۔ صورت مسئول عنہا میں بعد دفن میت کے دعا مانگنا ثابت ہے۔ فی الدر المختار وجلوس ساعۃ بعد دفنہ لدعاء وقراءۃ بقدر ما ینحر الجزور ویفرق لحمہ انتہی۔ وفی رد المحتار علی قولہ وجلوس لما فی سنن ابی داؤد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ عن دفن المیت وقف علی قبرہ وقال استغفروا لاخیکم واسألوا اللہ التثبیت فانہ الآن یسئل انتہی۔ اور نیز تعزیت کی بھی دعا کرنا میت کیواسطے ثابت ہے کما فی رد المحتار والتعزیۃ ان یقول عظم اللہ اجرک واحسن عزاءک وغفر لمیتک انتہی۔ اور بعد نماز جنازہ کے تو دعا مانگنا میت کیواسطے فقہا نے منع لکھا ہے چنانچہ مرقاۃ میں ہے ولا یدعو للمیت بعد صلوۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ انتہی۔ اور نیز فتاوی سراجیہ میں ہے اذا فرغ من الصلوۃ لا یقوم بالدعاء انتہی چنانچہ اس باب میں فتوی ہمارا جلد ثانی جامع الفتاوی صفحہ ۸۰ میں طبع بھی ہو گیا ہے۔ اور باقی طریق مندرجہ فی السوال پر دعا مانگنا کسی کتاب معتبر سے ثابت نہیں اور مرنے کے وقت سے بعد دفن مکان پر اسپیں تک جمع ہو کر ایک موقع پر دعا مانگنا ثابت ہو وہ بعد دفن کے قبر پر اور نیز ہر مسلمان جب چاہے میت کے واسطے شرعا دعائے خیر کر سکتا ہے۔ فی اللمعات علی حدیث عائشۃ رض قالت ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسہا الحدیث وفی الحدیث دلیل علی ان ثواب الصدقۃ یصل الی المیت وکذا حکم الدعاء ھذا ھو مذھب اھل الحق واختلفوا فی العبادات البدنیۃ کالصلوۃ وتلاوۃ القرآن والمختار انہا تنفعہ قیاسا علی الدعاء انتہی۔ اور عالم صاحب کا فرمانا صحیح ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم

العبد المجیب محمد ریاست علی عفی عنہ شاہجہانپوری دنشان مہر، اصاب من اجاب محمد عثمان عفی عنہ مدرس مدرسہ ضیاء العلوم کانپور

الجواب صحیح امید علیخان عفی عنہ

صح الجواب محمد عبد الوہاب خان الجواب الجواب واللہ سبحانہ اعلم بالصواب۔ محمد منور علی غفرلہ رامپوری

صح الجواب وھو الموفق للصواب وزیر محمد خان مدرس مدرسہ عالیہ ریاست رامپور الجواب صحیح خادم العلماء محمد ولی صح الجواب نظیر الدین عفی عنہ

سورت

الجواب۔ سوال مذکور میں جو چند مرتبہ اجتماع واہتمام سے فاتحہ پڑھنا ذکر کیا گیا ہے اس کا ثبوت کہیں نہیں ہو سکتا سوائے اس دعا کے جو دفن کے بعد قبر پر پڑھی جاتی ہو کہ یہ سنت ہے باقی جتنی مرتبہ بھی ہو بوجہ عدم ثبوت در خیر القرون ناجائز ہوگی مع ہذا جب فقہائے کرام نے اسکے مکروہ ہونے پر تصریح کر دی ہے چنانچہ عبارات کتب بر کراہت خود سوال میں مذکور ہیں۔ تو کون عاقل ایسا ہو کہ ایک امر ناجائز پر عمل کریگا۔ اور بدعتی رواج کو پسند کریگا۔ پس جو مولوی صاحب تشریف لائے ہیں ان کا قول بالکل صحیح ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ جو طریق انھوں نے فرمایا ہے وہ قرآن و حدیث اور صحابہ اور مذہب فقہا کے موافق ہے لہذا اسکو چھوڑ کر ایک رواجی طریق اختیار کرنا مسلمانوں کا کام نہیں ہے مستحب فعل کو جب ضروری اور لازمی خیال کیا جاتا ہو تو بدعت ہو جاتا ہے جس فعل میں عوام کے عقیدہ کا فساد ہو یا ایہام فساد ہو اس کا چھوڑ دینا ضروری ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ فاتحہ مذکورہ فی السوال جتنی مرتبہ بھی ہو بدعت ہے۔ سوائے اس کے جو دفن کرنے کے بعد قبر کے قریب پڑھی جاتے کہ یہ مستحب ہے۔ اگر اس مسئلہ کی تفصیل منظور ہو تو رسالہ بصائر الاہتداء منگا کر دیکھئے۔ جو خاص اسی مسئلہ میں لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد مہدی حسن غفرلہ مدرسہ اشرفیہ ۔ الجواب صحیح عبد اللہ خادم مدرسہ تعلیم الدین ہملک

الجواب صحیح محمد حسین نزیری عفی عنہ مدرس مدرسہ محمدیہ سانیہ۔ الجواب صحیح محمد یامین مدرس مدرسہ تعلیم الدین الجواب صحیح احقر العباد محمد عبد الغفور مدرس مدرسہ تعلیم الدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ واتباعہ اجمعین اما بعد فی الواقع مولوی صاحب موصوف جو رنگون میں تشریف لائے ہیں۔ ان کا فرمانا صحیح و حق ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء صلوۃ جنازہ دعا للمیت ہے۔ اس سے پہلے نیز اس کے بعد سوائے بعد دفن کے کوئی مخصوص موقع پر اجتماع واہتمام سے دعا للمیت کرنا و فاتحہ پڑھنا کتاب اللہ و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و کتب فقہ سے ثابت نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان۔ البتہ بعد دفن استغفار و دعا فی وقت الانصراف عند القبر مسنون ہے ابو داؤد شریف جلد ثانی صفحہ ۱۰۳ میں مروی ہے عن عثمان ابن عفان قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم واسئلوا لہ بالتثبیت فانہ الآن یسئل۔ اور بالتعیین مرحوم کے لیے ہمیشہ دعا کرنا اچھا ہے۔ ابو داؤد شریف جلد ثانی صفحہ ۹۵ باب فی الصف علی الجنازۃ حاشیہ حدیث مالک بن ہبیرہ پر مولانا علی

گیا

صورۃ مسئولہ میں اولاً یہ قاعدہ قابل لحاظ ہے کہ امتثال مامور بہ میں جو امر مانع و حارج ہو خواہ وہ از قسم عبادات ہی ہو وہ ممنوع ہے ثانیاً اس امر کو خیال کرنا چاہئے کہ اموات کے دفن میں تعجیل مامور بہ ہے حتی کہ جنازہ کے لے جانے میں بھی تیز چلنے کا حکم ہے فی مراقی الفلاح و یستحب الاسراع بتجہیزہ کلہ۔ پس ثابت ہو گیا کہ تعجیل دفن اموات میں جو چیزیں موجب تاخیر ہوں وہ ممنوع ہونگی خواہ وہ از قسم فاتحہ خوانی ہو یا کچھ اور لانہ لم یعہد من السنۃ بل ہو نہیا لنہا۔ اس تقریر سے قبل از دفن فاتحہ خوانی کا جواب ظاہر ہو گیا۔ رہا بعد از دفن۔ اسکی حالت یہ ہے کہ بعد از تسویہ قبر سوال نکیرین میت کے ثابت ہے کی تھوڑی دیر ٹھہر کے دعا کرنا مستحب ہے کما ورد فی الحدیث سلوا لہ التثبیت فانہ الان یسال ا وکما قال، مروجہ فاتحہ خوانی کا وہاں بھی ثبوت نہیں۔ ہاں اگر کوئی بلا لحاظ پابندی رسم و رواج محض لوجہ اللہ کچھ پڑھکر ایصال ثواب کرے تو ممنوع بھی نہیں۔ فی المراقی بل اذا رجع الناس من الدفن فلیتفرقوا و یشتغلوا باموریہم۔ البتہ ان مواقع میں فاتحہ خوانی کو سنت و مستحب سمجھکر کرنا ممنوع ہے اور نہ کرنیوالوں پر طعن و تشنیع کرنا حرام واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید ولایت حسین غفر اللہ لہ ۲۷ رجب ۱۳۳۵ھ الجواب صحیح خیرالدین عفی عنہ مدرس اول مدرسہ اسلامیہ چوک گیا

مدراس

فی الواقع مجیب صاحب کا فرمانا اس بارے میں صحیح ہے کیونکہ بعد موت قبل دفن کے کوئی دعائے اجتماعی سوائے نماز جنازہ کے دلیل معتبر سے ثابت نہیں جیسا بحر الرائق میں ہے صفحہ ۱۹۷ واشار بقولہ و تسلیمتین بعد الرابعۃ الی انہ لا شیٔ بعدہا غیرہما وھو ظاہر المذہب انتہی۔ و ایضاً صفحہ ۲۰۷ وینبغی لمن تبع جنازۃ ان یطیل الصمت و یکرہ رفع الصوت بالذکر و قراءۃ القرآن و غیرہما فی الجنازۃ والکراہۃ فیہا کراہۃ تحریم فی فتاوی العصر الخ وعن ابراہیم انہ کان یکرہ ان یقول الرجل وھو یمشی معہا استغفروا لہ غفر اللہ لکم انتہی اس دلیل سے صاف ظاہر ہوا کہ بعض ملکوں میں بعد موت قبل دفن کے جو اجتماع و اہتمام سے قرآن خوانی وغیرہ کا رواج ہے مکروہ ہے جبکہ قرآن خوانی وغیرہ مکروہ ہوئی پس فاتحہ مروجہ بطریق اولی بدعت اور مکروہ ہوگی۔ کیونکہ ان موقعوں پر فاتحہ سے تجہیز میں دیر ہوتی ہے اور تجہیز میں تاخیر کرنا شرعاً مکروہ ہے جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں صفحہ ۸۲۳ قولہ و تعجیلہ ای تعجیل جہازہ عقب تحقق موتہ ولذا کرہ تاخیر صلاتہ و دفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلوۃ الجمعۃ کما مر۔ انتہی۔ اس دلیل سے ثابت ہوا زیادتی جماعت کے لئے تاخیر صلاۃ اور دفن مکروہ ہے اور نفس صریح ہے جو دلیل مجیب کا ہے اس سے ثابت ہوا کہ جنازہ میں اصل مقصود دعا ہی ہے جب زیادتی جماعت کے ساتھ دعا مانگنے کے لئے تاخیر جنازہ مکروہ ہوئی تو ان موقعوں میں فاتحہ بغیر حکم شرع شریف کے بلا شک و شبہ مکروہ اور بدعت ہوگی۔ اور بعد دفن نزدیک قبر کے مجتمع ہو کر دعا اور قرأت قرآن جائز ہے۔ وفی جوہرۃ نیرۃ صفحہ ۱۱۱ اذا دفن المیت ان یجلسوا ساعۃ عند القبر بعد الفراغ بقدر ما ینحر جزور و یقسم لحمہا یتلون القرآن و یدعون للمیت الخ پس اولۂ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ بعد موت کے صلوۃ جنازہ اور بعد دفن کے مجتمع ہو کر دعا کرنا جائز ہے سوائے اسکے بلا التزام و بغیر اجتماع و اہتمام زیارت قبور اور دعا جس وقت جی چاہے کرے شرعاً جائز ہے۔ فقط ہکذا حکم الکتاب واللہ اعلم بالصدق والصواب والیہ المرجع والمآب راقم آثم محمد عبد الرحمن عفی عنہ (نشان مہر)

الجواب صحیح محمد فضل الحق (نشان مہر)، جاء الحق و زہق الباطل مجیب الحق عفی عنہ (نشان مہر)

الجواب۔ ان اوقات مسئولہ میں فاتحہ مروجہ پڑھنا اور اس کا التزام اور تارک کو قابل ملامت سمجھنا چنانچہ لکھا گیا ہے۔ بدعت قبیحہ ہے اگر یہ امورات میت میں داخل ہوتے تو شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے جو آداب تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ اور دعائے تثبیت وغیرہ کے بیان فرمائے ہیں اور کتب حدیث میں اور فقہ میں اس کا ذکر ہے، اسکو بھی بیان فرما دیتے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالی اسکو بھی بیان کرتے۔ اور رد المحتار میں لکھا ہے اذا تردد الحکم بین سنۃ و بدعۃ کان ترک السنۃ راجحا علی فعل البدعۃ انتہی۔ اور سنت مستحب کام پر اس طرح کہ لوگ اسکو واجب سمجھنے لگیں بدعت

التنویر فی حکم الجہر بالتکبیر

حامدًا و مصلیًا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج ایک رسالہ خاکسار کی نظر سے گزرا جس کا نام "فتاوی العلماء الاماجد فی جواز حلق الذکر فی المساجد" ہے اس رسالہ کو دیکھ کر خاکسار کو بیحد حیرت اور تعجب ہوا کہ روز روشن میں آفتاب کا انکار کرنا اور لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنا اسی کا نام ہے۔ اور پھر جرأت اور دلیری اس قدر کہ حضرت جامع الکمالات مفتی العصر استاذی مولانا المولوی محمد کفایت اللہ صاحب دامت فیوضہم کے فتوے کے رد کا حوصلہ۔ خدا کی شان ہے کہ جن لوگوں کو معمولی اردو عبارت کا سمجھنا دشوار وہ ادیب زمان کی حرف گیری میں لب کشائی کریں۔ اور پھر طرفہ یہ کہ لوگوں سے اپنی چرب زبانی اور کج مج بیانی پر خراج تحسین و آفرین وصول کرنے کی تمنا رکھیں۔ علم کا دعوی اور گفتگو بازاری حنفی ہونیکا ادعا اور امام کے قول سے بیزاری اہل سنت ہونیکی شیخی بگھارین اور ائمہ اہل سنت پر تبرا بازی اپنی تہذیب کا خود ڈنکا بجائیں اور سب و شتم و زبان درازی۔ یہ تمام امور اوراق آئندہ میں ناظرین پر روز روشن کی طرح واضح ہو جائیں گے انصاف سے ملاحظہ فرمائیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ مولمین سے ایک سوال حضرت مولانا مولوی مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کی خدمت میں آیا حضرت ممدوح نے اس کا جواب لکھ کر ارسال فرما دیا چونکہ حضرت ممدوح کا جواب ہمیشہ فقہ حنفی اور منہاج سنت کے موافق ہوتا ہے اس لیئے وہاں کے اہل بدعت کو ناگوار ہوا انہوں نے ایک دوسرا سوال مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے پاس بھیجکر اپنی مرضی اور خواہش کے موافق جواب حاصل کر لیا اور اس کو شائع کرنیکا ارادہ کیا پھر شاید یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ صرف مجتہد بریلوی اور ان کے حواریین کا فتوی شائع کر دینے سے شاید کار برآری نہو کیونکہ خصم کے پاس مفتی دہلوی کا فتوی اس کے مقابلہ پر موجود ہے۔ اس خیال سے انہوں نے مفتی دہلوی کے فتوے کا رد کرنیکے لیئے نظر دوڑائی مگر چونکہ ایک صاف فقہی حکم اور طریق سنت کا کھلم کھلا رد کرنا ہر شخص کا کام نہ تھا غالباً اتنے مولویوں میں سے کسی نے اسے گوارا نہ کیا۔ مگر افسوس و صد افسوس کہ سنت نبویہ پر چھری چلانے اور فقہ حنفی کو خاک میں ملانیکی سعادت ایک ایسے صاحب کی قسمت میں مقدر تھی جو اپنے آپ کو سید محمد الاشرفی الجیلانی ظاہر کرتے ہیں۔ مولانا سید محمد صاحب کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ شاہ جامعہ اشرفیہ کچھوچھہ میں مسند تدریس حدیث پر متمکن ہیں۔ سبحان اللہ۔ ایک خادم حدیث شریف کی یہ تحریر ہے جو ناظرین کے سامنے آتی ہے۔ پوری بات معلوم ہونے کے لیئے ضروری ہے کہ مولمین سے جو سوال حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں آیا تھا اس کو مع جواب کے نقل کر دیا جائے۔ سوال یہ تھا

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس شہر مولمین واقع لوور برما میں عیدگاہ نہیں ہے سب لوگ اپنے اپنے محلہ کی مسجد میں عید کی نماز پڑھتے ہیں اور اس شہر میں نہیں ہیں مسجدیں ہیں ہر ایک مسجد میں نماز شروع ہونے تک تکبیر بالجہر پڑھتے ہیں مطابق ایک قول درمختار کے جو کہ باب العیدین میں ہے قیل و فی المصلی وعلیہ عمل الناس الیوم ہمیشہ سے یہاں اسی قول پر عمل تھا یہاں کے علمائے متقدمین نے بھی روکا ٹوکا نہیں۔ اور تکبیر کا یہ طریقہ ہے کہ ایک شخص تعلیماً کیونکہ بہت ایسے

لوگ بھی عید کے روز جمع ہو جاتے ہین جن کو کلمہ بھی نہین آتا اُن کے سکھلانے کو تکبیر پکار کر سنا دیتا ہی تو سب لوگ متفق ہو کر پوری تکبیر کہکر چُپ ہو جاتے ہین پھر وہی شخص اوّل یا کوئی دوسرا شخص آیت وقل الحمد للہ الذی لم یتخذ الخ سُنا دیتا پھر سب تکبیر پڑہتے۔ پھر وہی شخص یا اور کوئی شخص اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا فسبحان اللہ وبحمدہ بکرۃ واصیلا اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد سُنا دیتا پھر سب کے سب پوری تکبیر پڑہتے۔ بس اسی طرح سے تکبیر پڑہتے پڑہتے نماز کا وقت ہو جاتا اور لوگ بھی جمع ہو جاتے ہین۔ اور اگر ایسا نہ کرین تو یہ گھنٹہ آدھا گھنٹہ لوگ مسجد مین فضول باتون مین مصروف رہتے یا خالی بیٹھے بیٹھے اونگھتے ہین۔ امسال یہان کی ایک مسجد کے نئے پیش امام صاحب نے اِسطرح سے تکبیر پڑہتے وقت مسجد مین عوام کو منع کر دیا۔ اور بھی اُن کے ایک معتقد نے اُٹھکر یون پکار کر منع کر دیا کہ تکبیر بالجہر رسول صلعم کے زمانہ مین نہین تھا یہ بدعت ہے سب لوگ اپنے اپنے دل مین آہستہ آہستہ پڑھین۔ اتنا سننا تھا کہ عوام مین کھلبلی مچ گئی کہ بھلا ایسے خالی بیٹھے رہنے کے عوض اور کسی نمازی یا مصلی کو اذیت بھی نہین ایسے وقت مین ذکر بالجہر یا تکبیر بالجہر کیون بدعت ہونے لگا۔ خیر سب کے سب بے علم تھے پیش امام اور اُن کے معتقد دونون مولوی تھے۔ ان سے پوچھ سکتا کون۔ آخر رنجیدہ ہو کر سب کے سب اِس ذکر خیر کو بند کر کے خاموش رہ گئے۔ اور ایک دو شخص کے ساتھ مانع مولوی صاحب کے ساتھ اسی جگہ اسی بارے مین تکرار بھی ہو چلی۔ مگر مولویصاحب نے منع ہی کیا۔ کیا ایسے موقع پر عوام کو منع کر دینا شرع نے روا رکھا ہے اگر نہین تو یہ مانعین پر شرعاً کیا حکم ہے اور یہ تکبیر پڑہنا کیسا۔ خلاصہ حال بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرما کر بیان کے مسلمانون کو تسلی و تشفی بخشین والسلام۔ اور خود مانع پیش امام صاحب نے عید کے خطبہ کے بعد لوگون نے مصافحہ کیا ہے اُن پر بھی شرعاً کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

اِس کے بعد مستفتی نے متعدد کتابون سے ایسی عبارتین لکھی تھین جو ذکر اللہ یا ذکر بالجہر کے جواز و استحباب یا تکبیر عید کے متعلق تھین اور لکھا کہ مرقومۂ بالا دلائل کو مانع پیش امام صاحب دیکھکر فرماتے ہین کہ ان دلائل کے سمجھنے اور ہمارے ساتھ بات کرنے کیلئے ہندوستان جا کر پانچ برس اور علم سیکھنا چاہئے۔ ہم تو اس طرح سے تکبیر پڑہنے کو بدعت ہی کہتے ہین اور ہم منع کر سکتے ہین ہم منع کرین گے۔ اور کہتے ہین کہ حدیث مین ہی اللہ بہرا نہین اس لیئے جہر کی ضرورت نہین۔ آہستہ آہستہ پڑہنا چاہئے اِسطرح سے ایک شخص کا تعلیما ہو یا اور کچھ ہو پڑہکر سُنانا پھر سب عوام کا پڑہنا بدعت ہی اور ذکر جہر امام ابو حنیفہ کے نزدیک بدعت ہی اس لیئے ہم منع کر سکتے ہین اگر ان سے کہتے ہین کہ اگرچہ تکبیر بدعت ہو تب بھی آپ کو اس طرح عوام کو منع کرنا نہین چاہئے تو کہتے ہین کہ ایک ابو جعفر کے قول (وقال ابو جعفر لا یمنع العامۃ من ذلک لقلۃ رغبتہم فی الخیرات) کو لیکے بکتے رہو۔ اگر ان سے کہتے ہین کہ یہی ذکر جہر حنیفہ کے نزدیک تو عید الفطر مین تو بدعت ہی پھر عید اضحی مین کیون نہین تو وہ کہتے ہین کہ ہندوستان سے جواز کا فتوے منگا دو تب ہم مان لین گے۔ اسی لیئے علمائے دین سے درخواست ہے کہ اگر ہم درمختار کے ایک قول "قیل و فی المصلے و علیہ عمل الناس الیوم" پر عمل کرین گے تو کیا ہم سب شرعاً بدعتی اور گنہگار رہینگے یا نہین بینوا توجروا۔

یہ سوال تھا جسکو بحذف عبارات کتب فقہ و تفسیر وغیرہا جو مستفتی نے مانع پیش امام کے سامنے پیش کی تھین نقل کر دیا گیا۔ چونکہ مستفتی نے صرف استفسار پر اکتفا نہین کیا بلکہ استدلال کا طریقہ اختیار کیا ہی۔ اس لیئے مناسب ہے کہ اس کی حقیقت بھی ناظرین پر واضح کر دون وباللہ التوفیق۔

قال السائل۔ اور تکبیر کا یہ طریقہ ہے کہ ایک شخص تعلیماً تکبیر پکار کر سُنا دیتا ہے الخ۔

اقول (۱) ذرا اپنے پہلے قول کو دیکھئے جس مین آپ اس فعل کو مطابق قول درمختار کے فرماتے ہین اور مہربانی کر کے درمختار مین تکبیر کا یہ طریقہ دکھلایئے۔ درمختار کے صفحہ اور باب کا حوالہ دیجئے۔ اور اگر درمختار مین یہ طریقہ مخترعہ نہ نکلے تو ذرا شرماؤ کہ روز روشن مین ایسا صریح دہوکا کیون دیتے ہو کہ ایک اختراعی طریقہ کو جائز بنانیکے لیئے درمختار کی طرف غلط نسبت کرتے ہو۔

(۲) اور پکار کر پڑہنے کی وجہ تعلیم بتانا غلط ہے کیونکہ جس شخص کو تکبیر نہین آتی وہ کسی ایک شخص کے زور سے پڑہنے سے سیکھ نہین سکتا جبتک ایک ایک کلمہ اُسے سکھایا نہ جائے۔ اور اگر سو پچاس آدمیون مین ایک دو ایسے ذہین ہوئے بھی کہ ایکدفعہ سُن کر سیکھ لین اور اُسیوقت اپنی زبان سے ادا کر دین تو باقی عوام کو اس تعلیم سے کیا فائدہ ہوا۔

(۳) نیز آیہ وقل الحمد للہ کو جہر سے پڑہکر اس آیت کی تعلیم مقصود ہوتی ہے یا تکبیر کی۔ اگر آیت کی تعلیم مقصود ہوتی ہے تو اول تو اس آیت کی تعلیم کی اس خاص وقت مین کیا ضرورت۔ دوسرے ایک مرتبہ پڑہنے سے لوگ سیکھ جاتے ہین یہ بھی فی صدی اٹھانوے افراد کے لحاظ سے غلط۔ اور اگر آیت کی جہری قرأت سے تکبیر کی تعلیم مقصود ہوتی ہے تو اس سے زیادہ اور کیا عقلمندی ہوگی کہ مقصود تو الفاظ تکبیر سکھانا ہین اور سکھانیوالا پڑہتا ہے ایک ایسی آیت جس مین تکبیر کے الفاظ بھی نہین اگر سکھانے کی تاویل یہ کرو کہ صرف یہ بات آیت پڑہکر سکھائی جاتی ہے کہ تکبیر پڑہو اور تکبیر کے الفاظ لوگون کو خود آتے ہین تو یہ تاویل تمہارے خود اس قول سے غلط ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ عید کے روز ایسے جمع ہو جاتے ہین جن کو کلمہ تک نہین آتا۔ اس قول مین تم نے تعلیم کے معنے خود ہی متعین کر دیئے ہین۔

(۴) پھر مہربانی کر کے یہ بھی بتایئے کہ جن لوگون کو کلمہ تک نہین آتا اُن کے حال پر آپ کو جو شفقت ہے اُس شفقت کو سورۂ فاتحہ وسورت واذکار نماز کی تعلیم مین کیون خرچ نہین کرتے یعنی آپ کو چاہیئے تھا کہ ایسے ناواقفونکو اتنی دیر مین وہ ضروری باتین سکھا دیتے اور بتا دیتے جس سے ان کی نماز صحیح ہوتی اور واجب شرعی اون کے ذمہ سے اترتا۔ آپ کو اُن کے حال پر مہربانی کی نظر ہوئی تو صرف تکبیر بالجہر سکھانے مین ہوئی۔ یہ کہنا کہ اس وقت مین اور باتین سکھانا مشکل ہے بالکل غلط ہے کیونکہ آپ کا خود اقرار موجود ہے کہ گھنٹہ آدھا گھنٹہ اس تکبیر مین مشغول رہتے ہین۔ ایسے ناواقفون کو جنہین کلمہ تک نہین آتا۔ گھنٹہ آدھے گھنٹہ مین آپ اس قدر آیتین سکھا سکتے ہین جس سے کم از کم فرض قرأت ادا ہو جائے۔ اگر ایک ایک واقف ایک ایک ناواقف کو لے بیٹھین اور اتنی دیر مین ضروریات نماز سکھا دین تو یقیناً تعلیم و تبلیغ کا فرض اُن کے ذمہ سے بھی ادا ہو جائے اور ان بیچارے ناواقفون کے ذمہ سے بھی ایک واجب شرعی اتر جائے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ یہ تعلیم کا حیلہ سوال مین پڑہے ہوئے جنون کی طرف سے حاشیہ ہے اس رسم کے پابندون کی غرض تعلیم نہین ہے ان بیچارون کو تو تعلیم کا دہیان بھی نہین آتا ہوگا۔

(۵) پھر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ پہلے زور سے پڑہنے والے کا مقصود تعلیم ہے تاہم تمام لوگون کا زور سے پڑہنا چہ معنی دارد۔ وہ سیکھ کر اپنے اپنے دل مین آہستہ کیون نہین پڑہتے۔

اگر کہا جائے کہ وہ قیل دنی المصلے پر عمل کرتے ہین تو جواب یہ ہے کہ اگر جہر کی وجہ یہ روایت ہے تو پھر پہلے ہی پڑہنے والے کے جہر کے لیے تعلیم کا حیلہ کیون تراشا گیا۔ نیز یہ طریقہ کیون مقرر کیا گیا کہ پہلے ایک شخص زور سے پڑہے پھر سب پڑہین۔ اگر روایت مذکورہ پر عمل کرنا تھا تو تمام لوگ بطور خود جہر سے پڑہتے رہتے۔ اور ناواقف لوگ اپنے سے قریب پڑہنے والے کی تکبیر سُن کر سیکھ لیتے اور اس کے ساتھ ساتھ خود بھی پڑہتے جاتے۔

قال السائل اگر ایسا نہ کریں تو گھنٹہ آدھ گھنٹہ لوگ فضول باتوں میں مصروف رہتے یا خالی بیٹھے اونگھتے۔ (انتہی باختصار)

اقول جی ہاں بجا۔ یا تو ناواقفوں کی یہ خیرخواہی تھی کہ اُن کو تکبیر سکھانیکے لیئے ایک طریقۂ بدعت ایجاد کرنے کو تیار یا اُنکی طرف سے ایسی بے پروائی کہ باوجود گھنٹہ آدھ گھنٹہ وقت ہونیکے بھی اُنہیں ضروریات نماز نہیں سکھاتے۔ بلکہ فضول باتین کرنے یا اونگھنے دیتے ہیں۔

قال السائل۔ اس سال یہاں کی ایک مسجد کے نئے پیش امام صاحب نے اس طرح سے تکبیر پڑھتے وقت مسجد میں عوام کو منع کردیا

اقول۔ پیش امام صاحب نے اس خاص طریقے کو منع کیا ہے کہ پہلے ایک شخص بلند آواز سے تکبیر اور آیت مذکورہ وغیرہ پڑھے۔ اور پھر سب لوگ زور سے تکبیر پڑھیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کا قول سائل نے خود آگے چل کر نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں "ہم تو اس طرح سے تکبیر پڑھنے کو بدعت ہی کہتے ہیں"۔ اور یہ قول "اس طرح سے ایک شخص کا تعلیماً ہوا اور کچھ ہو پڑھکر سنانا پھر سب عوام کا پڑھنا بدعت ہے" اُن کے ان قولوں میں تصریح ہے۔ کہ انہوں نے بدعت ہونیکا حکم اس مجموعہ پر لگایا ہے اور یہ یقیناً بدعت ہی اس کا نہ حدیث سے ثبوت ہے نہ فقہ سے۔ نہ درمختار کے قول مذکور سے یہ ثابت نہ کسی اور کتاب سے پیش امام صاحب نے تکبیر پڑھنے سے منع نہیں کیا جیسا کہ خود سوال میں ان کا یہ قول موجود ہے "سب لوگ اپنے اپنے دل میں آہستہ آہستہ پڑھیں"

قال السائل۔ آخر رنجیدہ ہو کر سب کے سب اس ذکر خیر کو بند کر کے خاموش ہو گئے۔

اقول۔ بقول آپکے سب کے سب خاموش ہو گئے۔ مگر امام صاحب کے قول کو صحیح سمجھکر یا غلط۔ اگر صحیح سمجھکر خاموش ہوئے تو رنجیدہ ہونے کی کیا وجہ۔ کیا وہ بدعت سے ہی خوش ہوتے ہیں۔

اور اگر غلط سمجھ کر خاموش ہوئے تو کیا مولمین کے یہ نئے پیش امام صاحب کوئی ظالم مجسٹریٹ تھے کہ اُنکے ڈر سے خاموش ہو گئے پھر خاموش ہو جانیکا اگر مطلب یہ ہے کہ تکبیر بالجہر چھوڑ کر آہستہ آہستہ پڑھنے لگے تو کیا آپ کے نزدیک ذکر بالجہر ہی ذکر خیر ہے۔ اور ذکر بالسر ذکر خیر نہیں ہے (یاد رہے کہ ذکر بالسر باتفاق ذکر جہر سے افضل ہے) اور اگر خاموشی سے مراد یہ ہے کہ بالکل ذکر کو چھوڑ دیا۔ تو امام صاحب نے تکبیر بالسر سے تو روکا نہیں تھا۔ پھر اس بالکل خاموشی کا الزام اُن بیچارے کے سر کیوں ڈالا جاتا ہے۔ اگر کہو کہ جہر سے انہوں نے روکا اور چپکے چپکے اس لیئے نہ پڑھ سکے کہ تکبیر یاد نہ تھی تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مولمین کے مسلمان امور شرعیہ سے اس قدر ناواقف ہیں کہ ایک مسجد کے سینکڑوں نمازیوں میں سے کسی کو بھی تکبیر نہیں آتی تھی اور سب کے سب ذکر خیر کو بند کر کے خاموش ہو گئے۔

قال السائل۔ اور ایک دو شخص کے ساتھ الی قولہ تکرار بھی چلی۔

اقول کھلبلی مچانا اور تکرار چلانا یہی تو التزام بالالیلزم کے دلائل ہیں۔

یہ تھی سوال کی حقیقت۔ اب ناظرین حضرت مولانا مفتی دہلوی کے جواب کی نوعیت ملاحظہ فرمائیں۔ جواب کا خلاصہ یہ تھا

خلاصۂ جواب حضرت مفتی صاحب مدظلہ

عید الفطر میں عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر کہنے کے متعلق حضرت امام اعظم سے دو روایتیں ہیں ایک عدم جواز کی یعنی تکبیر بالکل نہ کہی جائے نہ زور سے نہ آہستہ سے۔ دوسری جواز کی یعنی تکبیر کہی جائے مگر آہستہ۔ اور صاحبین جہر کے قائل ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اختلاف نفس تکبیر میں نہیں ہو بلکہ صفت تکبیر میں ہے امام صاحب عید الفطر کے راستہ میں جہر بالتکبیر کے قائل نہیں اور صاحبین راستہ میں جہر بالتکبیر کے قائل ہیں۔ رہا مصلے میں تکبیر کہنا تو وہ ائمہ ثلثہ سے منقول و ثابت نہیں

یہ بیان تو عید الفطر کے متعلق تھا۔ اور عید الاضحی کے راستہ مین جہر بالتکبیر ائمہ ثلثہ کے نزدیک جائز ہے اور مصلے مین پہنچ کر بنابر قول مختار کے نہین چاہیے۔

اور مطلقاً ذکر بالجہر کا جواز اس امر کو مستلزم نہین کہ وہ ہر صورت اور ہر وضع سے ہر وقت جائز ہو عبارات منقولہ سوال جو ذکر بالجہر کا جواز ظاہر کرتی ہین۔ ان مین وہی ذکر بالجہر مراد ہے جس کی ممانعت پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ اور عید الفطر کے راستہ و مصلے مین امام صاحب سے ممانعت جہر کی (حسب روایات صحیحہ) منقول ہو اور اضحے مین مصلے مین جواز تکبیر بالجہر ائمہ ثلثہ سے ثابت نہین پھر جواز کسی شے کا اس کے ضروری ہونیکو مستلزم نہین یعنی اگر جائز بھی ہو تاہم ضروری نہین۔ اور اگر اسے ضروری سمجھا جائے تو ناجائز اور بدعت ہو جائے گا۔

در مختار کا قول قیل و فی المصلی عید الاضحے کے متعلق ہے نہ عید الفطر کے۔ دوسرے یہ روایت معلوم نہین کس کا قول ہے ائمہ ثلثہ سے (تمام متون و شروح و فتاوے مین اصل مذہب کے طور پر) مصلے مین تکبیر قطع کرنا منقول ہو اور فتاوی خزانہ سے عالمگیری مین اس کا ماخوذ بہ ہونا بھی ثابت ہو اور لفظ ہو الماخوذ بہ در مختار کے لفظ و علیہ عمل الناس الیوم سے اقوی ہے۔
اور بر تقدیر جواز جہر کے بھی اس کی یہ خاص ہیئت اور اسے لازم سمجھنا بدعت اور مکروہ ہے۔ اور جہر کو تعلیم کے لیئے بتانا بھی صحیح نہین کیونکہ اس صورت مین ایک شخص کا زور سے کہنا اور سب کا آہستہ آہستہ کہنا کافی ہو سکتا تھا۔
امام ابو جعفر کا قول وھذا المخلص الخ اسی صورت مین جاری ہو گا جہان ائمہ ثلثہ مین سے کسی کے قول سے اس کی (یعنی جہر بالتکبیر کی) مساعدت ہوتی ہو۔ مثلاً عید الفطر کے راستہ مین جہر سے نہ روکا جائے۔
یہ خلاصہ تھا مفتی دہلوی مدظلہ کے جواب کا۔

اس کے بعد ناظرین وہ جواب بھی ملاحظہ فرمالین جو ملتان والون نے مولوی احمد رضا خان صاحب کے پاس سے حاصل کیا ہے:۔

سوال

کیا فرماتے ہین علمائے دین اس مسئلہ مین کہ مساجد مین بانتظار نماز عیدین مسلمان جمع ہوتے ہین اور بجائے فضول و لغو باتوں کے ذکر الٰہی مین مصروف رہتے ہین اس طرح کہ ایک شخص باواز بلند تکبیر کہتا ہے۔ دوسرے مشغولین باجماع آوازہ تکبیر بلند کرتے ہین اور جبتک سب مصلی یکجا نہ ہولین اسی طرح ذکر مین مصروف رہتے ہین۔ ایسے حلقۂ ذکر کو بدعت سیئہ کہکر توڑنا یا ایسے ذکر سے روکنا جائز ہے یا نہین۔ بینوا بالبرھان توجروا عند اللہ المنان +

جواب علمائے بریلی

ذکر الٰہی مذکور سے روکنا اگر بربنائے تقشف ہے جہالت ہے اور بربنائے وہبیت ہے تو ضلالت ہے در مختار مین ہے۔ اما العوام فلا یمنعون من تکبیر ولا تنفل اصلا لقلۃ رغبتھم فی الخیرات۔ بحر طحطاوی و رد المحتار مین ہے۔ قولہ اصلا ای لا سرا ولا جھرا فی التکبیر ولا قبل الصلوۃ بمسجد او بیت او بعدھا بمسجد فی التنفل۔ واللہ تعالی اعلم۔

فقیر احمد رضا قادری (کذا فی فتاوی الامجد)

ناظرین! اول تو یہ ملاحظہ فرمائیں کہ سائل نے اس سوال میں کس قدر چالاکی کی ہے کہ اپنے رسم و رواج کو پورے طور پر ظاہر نہیں کیا۔ ذکر سے منع کرنیکا حکم پوچھا حالانکہ ہیئت خاصہ اور جہر سے منع کرنیکا حکم پوچھنا چاہیے تھا۔ تاہم اس سوال میں بھی تین باتیں صراحۃً مذکور ہیں۔ اول پہلے ایک شخص کا باواز بلند تکبیر کہنا۔ دوم پھر سب لوگوں کا بالاتفاق زور سے تکبیر کہنا۔ سوم جبتک نمازی جمع ہوں سب کا اسی صورت سے جہر بالتکبیر میں مشغول رہنا۔

اب مجتہد بریلوی کے جواب کی حقیقت ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں۔

قال البریلوی۔ ذکر الٰہی مذکور سے روکنا اگر بربنائے تعنت ہے جہالت ہے اور بربنائے توہب ہے تو ضلالت ہے۔

اقول۔ اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ نفس ذکر الٰہی سے روکنا جہالت یا ضلالت ہے تو صحیح ہے۔ لیکن نہ تو واقعہ یہ ہے کہ کسی نے ذکر سے مطلقاً روکا ہے اور نہ آپ کو یہ لائق تھا کہ سوال میں جو تقییدات و تخصیصات مذکور ہیں ان سے آنکھ بند کر لیجئے۔

اور اگر آپ باوجود ان تقییدات و اجتماع و اہتمام کے اسے جائز فرماتے ہیں تو آیا اس لیے کہ اس ہیئت اجتماعیہ اور اہتمام کا کوئی ثبوت ہے؟ اگر ہے تو پیش کیجئے۔

یا اس لیے کہ ہیئت اجتماعیہ اور اہتمام خاص کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔ ذکر الٰہی کسی ہیئت اور کسی صورت سے ہو آپ کے نزدیک جائز ہے اور اس سے روکنا جہالت و ضلالت ہے۔ اگر یہ بات ہے تو روایات ذیل کو ملاحظہ فرمایئے۔

عن مجاهد قال دخلت انا وعروة بن الزبير المسجد فاذا عبد الله بن عمر جالس الى حجرة عائشة واذا اناس يصلون في المسجد صلوة الضحى قال فسألناه عن صلاتهم فقال بدعة (بخاری ص ۲۳۸ ج ۱)	مجاہد رح فرماتے ہیں کہ میں اور عروہ بن الزبیر مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضہ حجرۂ عائشہ رضہ کے پاس بیٹھے تھے اور کچھ لوگ مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہے تھے تو ہم نے ابن عمر رضہ سے اس نماز کا حکم دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا بدعت ہے۔

علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں اور علامہ عینی نے شرح بخاری میں فرمایا کہ حضرت ابن عمر رضہ نے نفس نماز کو بدعت نہیں فرمایا بلکہ لوگوں کے اجتماع و اہتمام کو بدعت فرمایا ہے۔

اخبر عبد الله بن مسعود رضي الله عنه بالجماعة الذين كانوا يجلسون بعد المغرب فيهم رجل يقول كبروا الله كذا وكذا وسبحوا الله كذا وكذا واحمدوا الله كذا وكذا فيفعلون فحضرهم فلما سمع ما يقولون قام فقال انا عبد الله بن مسعود فوالذي لا اله غيره لقد جئتم ببدعة ظلماء او لقد فقتم على اصحاب محمد عليه الصلوة والسلام علما (مجالس الابرار)	یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضہ کو خبر دیگئی کہ چند لوگ ہیں جو مغرب کے بعد بیٹھتے ہیں اور ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی بار اللہ اکبر کہو اتنی بار سبحان اللہ کہو اتنی بار الحمد للہ کہو تو سب ایسا ہی کرتے ہیں حضرت ابن مسعود رضہ انکے پاس گئے اور ان کی تکبیر تسبیح تحمید کو سنا پھر کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں عبد اللہ بن مسعود ہوں پس اس پاک خدا کی قسم ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ تم نے ایک تاریک بدعت اختیار کر رکھی ہے۔ یا پھر تم محمد صلعم کے اصحاب سے علم میں بڑھ گئے ہو۔
ولابي حنيفة ان رفع الصوت بالذكر بدعة (الى ان قال) ولا يمنع من ذكر الله تعالى في وقت من الاوقات بل من ايقاعه على وجه البدعة وهو الجهر لمخالفة قوله تعالى واذكر ربك في نفسك فيقتصر على مورد الشرع الخ	یعنی امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ذکر میں آواز بلند کرنا بدعت ہے اور صاحب فتح القدیر نے بھی امام صاحب کی دلیل یہی بیان کی کہ امام صاحب نے مطلق تکبیر سے منع نہیں کیا بلکہ اسکو بدعت کی صورت میں ادا کرنے سے روکا ہے اور وہ طریقہ بدعت جہر ہی ہے کیونکہ آیہ قرآنی واذکر ربک کے

(رد المحتار نقلاً عن الفتح)

مخالف ہے پس بہر و شرع پر مقتصر رہیگا۔

دیکھیے حضرت ابن عمرؓ نے نماز چاشت کے لیے اجتماع و اہتمام کو بدعت فرمایا حضرت ابن مسعودؓ نے تسبیح و تکبیر و تحمید کی اس خاص ہیئت اور اہتمام کو بدعت فرمایا۔ حضرت سراج الائمہ امام اعظمؒ نے عید الفطر میں بوجہ عدم ثبوت کے جہر بالتکبیر کو بدعت فرمایا علامہ ابن ہمام۔ علامہ ابن نجیم۔ علامہ عینی۔ علامہ حافظ ابن حجر۔ قاضی عیاض۔ علامہ طیبی وغیرہم جملہ حضرات اکابر نے اس اجتماع و اہتمام خاص کو عدم ثبوت کی صورت میں بدعت ہونا تسلیم کر لیا۔ اب آپ ان تمام حضرات پر کیا حکم لگاتے ہیں کہ ان سب کا ذکر الٰہی سے روکنا بر بنائے تقشف ثمرۂ جہالت تھا یا بر بنائے تو ہب ثمرۂ ضلالت۔ ذرا سمجھ کر جواب دیں۔ اور ہاں یہ تو فرمائیے کہ جمعہ کے روز خطیب کے سامنے مسجد میں ذکر الٰہی کرنے (یعنی اذان خطبہ کہنے) سے تو آپ بھی منع کرتے ہیں۔ وہ ممانعت بر بنائے تقشف اور جہالت ہے یا بر بنائے تو ہب اور ضلالت ہے۔

قال البریلوی۔ درمختار میں ہے۔ اما العوام فلا یمنعون من تکبیرہ ولا تنفل اصلاً لقلة رغبتهم فی الخیرات۔

اقول۔ اول عرض ہے کہ اگر بریلوی صاحب نے یہ عبارت حضر اس مسئلہ کے ثبوت میں پیش کی ہے کہ تکبیر بالجہر مصلّے میں (جس کے متعلق سوال ہے) جائز ہے تو اس لیے بے محل ہے کہ یہ عبارت عید الفطر کے راستہ میں جہر بالتکبیر بالجہر سے روکنے کے متعلق ہے کہ امام صاحب کے نزدیک چونکہ بقول راجح عید الفطر کے راستہ میں جہر بالتکبیر نہیں تھا تو ان کے مسلک کے موافق جہر سے روکا جا سکتا تھا اس کے بارہ میں کہا گیا کہ عوام کو نہ روکا جائے۔ ذرا غور سے درمختار کو دیکھو۔ نیز علامہ شامی نے لفظ اصلاً کی تفسیر میں تکبیر کے متعلق صرف جہر اور سر کی تعمیم بیان کی مصلے اور مسجد کا ذکر نہ کیا حالانکہ اسی لفظ اصلاً کی تنفل کے بارہ میں جو تعمیم کی اس میں مسجد کو شامل کر لیا۔ پس تکبیر بالجہر فی المصلے کا حکم اس سے نہیں نکلتا ورنہ کسی عبارت فقہیہ سے یہ تعمیم ثابت کیجیے۔

دوسرے مجتہد صاحب نے یہ عبارت تو پیش کر دی مگر یہ خیال نہ کیا کہ اس میں صرف عوام کا حکم مذکور ہے اور سوال میں تمام اہل مسجد کا ذکر کرنا صراحتہً مذکور ہے جس میں عوام خواص سب شامل ہیں۔ تو اگر ان کو عوام کی خاطر داری سے زیادہ دلبستگی تھی تو آخر خواص نے ایسی کیا خطا کی تھی کہ وہ آپ کے فتوے سے محروم رہے۔

یا سائل نے کسی پرائیویٹ تحریر کے ذریعہ سے یہ اطلاع دی تھی کہ مولمین کی مسجدوں میں کوئی شخص خواص میں شمار ہونے کے لائق ہوتا ہی نہیں سب عوام ہی عوام ہوتے ہیں جن کو جہر سے روکا تو بس تکبیر ہی چھوڑ دیں گے۔

تیسرے مجتہد صاحب سے کوئی پوچھے کہ سوال میں تو ایک خاص ہیئت اجتماعیہ اور اہتمام کے ساتھ تکبیر اور ذکر کرنا مذکور ہے۔ اس کا ثبوت اس درمختار کی عبارت سے کیسے ہو گیا۔

چوتھے اس عبارت کا حاصل صرف یہ ہے کہ عوام کو روکا نہ جائے یعنی اگر وہ خود تکبیر بالجہر پڑھیں تو انہیں روکو نہیں۔ بس عبارت میں یہ تو نہیں ہے کہ بار بار انہیں ہوشیار کر کر کے اور تکبیر پڑھ پڑھ کر ان سے پڑھوائی جائے اور سوال اسی کے متعلق تھا پس اس عبارت کو صورت سوال سے کچھ تعلق نہیں۔

پانچویں اس عبارت میں عدم منع کی وجہ یہ بیان کی ہے لقلة رغبتهم فی الخیرات۔ کبیری میں اسکی تفسیر اس طرح کی ہے

یعنی انهم اذا منعوا عن الجهر به لا یفعلونه سرا فینقطعون عن الخیر بخلاف العالم الذی یعلم ان الاسرار هو الافضل (کبیری)

یعنی اگر عوام کو جہر بالتکبیر سے روکا جائیگا تو وہ سراً بھی چھوڑ دیں گے اور ایک نیک بات سے منقطع ہو جائیں گے بخلاف عالم کے جو جانتا ہے کہ تکبیر بالسر افضل ہے۔

پس جن لوگون کو جہر سے روکنے مین بالکل تکبیر چھوڑ دینے کا اندیشہ نہ ہو تو اگر ایسے جاننے والون کو کوئی روکے تو یہ روکنا آپکی ان دو شقون (تقشف وجہالت اور تو ہب وضلالت) مین سے کس شق مین داخل ہوگا۔ اگر ان دونون مین سے کسی مین داخل نہین بلکہ کوئی تیسری شق بھی ہے تو اسے آپ نے کیون ذکر نہ فرمایا۔ کیا اس لیئے کہ کہین معتقدین نہ بگڑ جائین۔ یا اس لیئے کہ آپکے معتقدین مین صرف عوام ہی عوام ہین۔ اور انہین سے آپکی غرض متعلق ہے۔

چھٹے یہ کہ بقول آپ کے بھی ممانعت بربنائے تقشف جہالت اور بربنائے تو ہب ضلالت ہے۔ لیکن اگر منع کرنیوالے بربنائے اتباع سنت واقتدا و سلف منع کرین تو کیا حکم ہے۔ اسے کیون آپ نے اڑا دیا۔

ساتوین یہ کہ درمختار کی یہ عبارت جو آپ نے نقل کی ہو امام ابوجعفر سے بلفظ لاینبغی منقول ہے یعنی روکنا نامناسب ہے۔ تو یہ عبارت آپکے اس حکم بالجہالۃ یا بالضلالۃ کی دلیل کیسے بن سکتی ہو کیا نامناسب کام (ممانعت جہر) کرنیوالا آپ کے یہان جاہل یا گمراہ ہی ہوتا ہے۔

یہ تو مجتہد بریلوی کے فتوے کی حقیقت تھی اس کے بعد رسالۂ مذکورہ مین اور بھی بہت سے ایسے نام ہین جن کو نہ اصل سوال کی خبر نہ جواب کی اور نہ اس کا ادراک کہ انہون نے خود کیا لکھ مارا۔ کوئی صاحب نفس ذکر کی فضیلت بیان کرنے بیٹھ گئے کسی نے ذکر بالجہر کے اثبات مین ورق سیاہ کیئے۔ پھر سب کا ڈھنگ مجتہدانہ۔ اپنے ائمہ سے جن کے مقلد ہین اور حنفی ہونیکا دم بھرتے ہین نقل نہین کرتے بلکہ آیات قرآنی یا حدیث نبوی سے استنباط کر رہے ہین گویا ان کے نزدیک تکبیر بالجہر فی العیدین کا مسئلہ کتب فقہیہ مین مذکور ہی نہین۔ یا ہے تو لائق التفات نہین۔ یہ ہین ہمارے وہ علما جو اہل سنت اور حنفی ہونیکے لانبے چوڑے دعوے کیا کرتے ہین۔ اور دوسرون کو سنت کا نام لینے پر وہابی غیر مقلد کا خطاب دیدیتے ہین۔ فالی اللہ المشتکی۔

ان تمام حضرات کا سرمایۂ علم وتفقہ ان کی تحریرون سے ارباب فہم پر ظاہر ہو جائیگا اس لیئے مین بغرض اختصار انکی تحریرات پر مفصل تبصرہ کرنیسے درگزر کر کے صرف ایک آخری تحریر کے متعلق کچھ عرض کرتا ہون۔ یہ تحریر جناب مولوی سید محمد صاحب اشرفی جیلانی کچھوچھوی کی ہے کچھوچھوی صاحب نے حضرت مفتی دہلوی مدظلہ کے فتوے کا رد کیا ہے۔ ناظرین کچھوچھوی صاحب کی علمی لیاقت اور پھر اسپر اسقدر جرأت ملاحظہ فرمائین +

آپ نے اپنی تحریر کی ابتدا مین حمد ونعت عربی زبان مین تحریر فرمائی ہو۔ اس مین فرماتے ہین تکبیر ایلیق کبریاءہ۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا عربی مین یلیق بلا واسطہ باستعدی ہوتا ہے اور یلیقہ یا یلیق کبریاءہ بولتے ہین۔ اگر بولتے ہین تو ثبوت دیجئے۔ ورنہ عربی لکھنے کی آپ کو کیا ضرورت تھی۔

آگے چل کر مجتہد بریلوی کو **فاضل الشان** تحریر فرماتے ہین جس کے معنے خود ہی سمجھے ہونگے یا شاید مجتہد بریلوی اسے حل فرما گئے۔ باقی یہ بات کہ مجتہد بریلوی کو امام اہل السنۃ مجدد مائۃ حاضرہ وغیرہ القاب سے یاد فرمایا ہے اسکے متعلق مجھے کچھ عرض کرنا نہین کیونکہ مجتہد بریلوی کا امام اہل سنت یا امام اہل بدعت ہونا سارا ہندوستان جانتا ہے نیز مجدد مائۃ حاضرہ کی جگہ اگر مجتہد مائۃ حاضرہ فرماتے تو شاید کچھ لوگ اسپر ایمان بھی لے آتے۔

قال الکچھوچھوی۔ لیکن جواب مسئلہ سے علیحدہ مجھ کو جناب مفتی کفایت اللہ صاحب کے فتوے کی خبر لینی ہے۔

اقول۔ زندہ باش۔ آپ کی تہذیب وعالمانہ انداز کلام کے کیا کہنے ہین۔

قال الکچھوچھوی۔ جو شہر مولمین کے جملہ مفاسد واختلافات کی بنیاد ہے۔

اقول سرع جہ دلاور است الخ۔ ناظرین مولمین سے جو سوال مفتی دہلوی مدظلہ کیخدمت مین آیا تھا اس مین مستفتی کا یہ بیان صراحۃً

موجود ہے کہ سوال آنے سے پیشتر ہی وہان اختلاف اور نزاع اور تکرار سب کچھ ہو چکا تھا اور کچھوچھوی صاحب نے وہ سوال پورا ملاحظہ فرمایا ہے جیسا کہ اُن کی تحریر سے ظاہر ہے پھر بھی مفتی صاحب کے فتوے کو جملہ مفاسد و اختلاف کی بنیاد قرار دینا روز روشن مین آفتاب پر خاک ڈالنا نہین تو کیا ہے۔

قال الکچھوچھوی - مخالفین کی پونجی مفتی صاحب کی ایک صفحے سے زیادہ نہین - میرے پاس اس وقت مفتی صاحب کا اصل فتوی ہے

اقول - مفتی صاحب کا یہ فتوے خیر الکلام ما قلّ و دلّ کا بہترین نمونہ ہے جسے کچھوچھوی صاحب باوجود فتوی موجود ہونے کے نہ سمجھے سچ ہے ؎ تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل ✚ کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را ✚

قال الکچھوچھوی - مستفتی نامعلوم الاسم تین صفحون مین پوچھتا ہے کہ مولوی صاحب ہم خدا کو سب سے بڑا ہر وقت کہا کرین کیا مسجد مین خدا کی بڑائی بیان کرین - پھر بیچارہ نے اس ڈر سے کہ کہین مفتی صاحب جلدی سے انکار نہ کر جائین اپنے مقصود کو دلائل واضحہ و براہین لامعہ سے مدلل و مبرہن بھی کیا -

اقول - کچھوچھوی صاحب نے سوال کا خلاصہ صرف دو باتین بتا مین - اوّل یہ کہ ہم خدا کو سب سے بڑا ہر وقت کہا کرین - دوسرے یہ کہ کیا مسجد مین خدا کی بڑائی بیان کرین - لیکن ناظرین اصل سوال اور اُس مین وہ واقعہ جو استفتا کا منشا ہوا - پڑھ چکے ہین - وہ خود کچھوچھوی صاحب کی اس قطع برید اور ان کی دیانتداری کی داد دین گے - سوال مین خدا کو سب سے بڑا ہر وقت کہنے کا استفسار کہان ہے وہ تو ایک خاص صورت سے متعلق ہے کہ عیدین مین نماز سے پہلے تکبیر بالجہر اس خاص طریقہ سے کہتے ہین اسکا کیا حکم ہے - شاید کچھوچھوی صاحب کے نزدیک خدا کو سب سے بڑا ہر وقت کہنے کے معنے صرف یہی ہین کہ سال بھر مین عیدین کی نماز سے پہلے ایک ایک یا آدھا آدھا گھنٹہ تکبیر کہہ لین - کیون نہ ہو اسی علم و فہم پر دعوی ہمہ دانی - دوسرا حصہ کہ کیا مسجد مین خدا کی بڑائی بیان کرین یہ بھی غلط ہے - بلکہ صحیح یون ہے کہ عیدین مین نماز سے پہلے مسجد مین خدا کی بڑائی زور زور سے تکبیر کہکر اجتماع اور اہتمام سے بیان کرین یا نہین - کچھوچھوی صاحب نے تمام قیود کو حذف کر دیا - یہ کیون صرف اس لیئے کہ عوام کے سامنے یہ کہہ سکین کہ مفتی دہلوی نے خدا کو سب سے بڑا ہر وقت کہنے سے منع کیا - یا مسجد مین خدا کی بڑائی بیان کرنے سے روک دیا -

اور پھر عوام کو بہکانے کیلئے یہ حاشیہ اپنی طرف سے بڑھایا کہ کہین مفتی صاحب جلدی سے انکار نہ کر جائین - گویا سائل نے پہلے ہی سے یہ بدگمانی کر رکھی تھی کہ مفتی صاحب خدا کو سب سے بڑا ہر وقت کہنے سے یا مسجد مین خدا کی بڑائی بیان کرنے سے انکار کر دین گے - مگر یہ سب کچھ مولانا کچھوچھوی کی سمجھ کا پھیر ہے یا ان کی خاص علمی لیاقت کا اندھیر - نہ مولیین والون کا یہ سوال تھا نہ اُن کو حضرت مفتی صاحب کی طرف یہ بدگمانی تھی (ورنہ وہ پورا واقعہ سوال مین ذکر نہ کرتے) اور نہ خدانخواستہ حضرت مفتی صاحب خلاف کتاب و سنت و فقہ ائمۂ امت ایسا کر سکتے تھے نہ کیا - پھر کچھوچھوی صاحب فرماتے ہین کہ مستفتی نے اپنے مقصود کو دلائل واضحہ و براہین لامعہ سے مدلل و مبرہن بھی کیا -

جی ہان اس خاص واقعہ مذکورہ فی السوال کے لیئے مستفتی کی پیش کی ہوئی عبارتین آپ جیسے مجتہدین کے نزدیک ہی دلائل واضحہ و براہین لامعہ کا لقب پانے کی مستحق ہین - جو دنیا بھر کی بدعات کو عمومات قرآن و حدیث سے ثابت کرنے کے لیئے ہر وقت کمربستہ رہتے ہین -

قال الکچھوچھوی - مگر افسوس کہ اس ساری محنت کا جواب مفتی صاحب نے ایک رباعی پڑھا دیا جس کو قسمت سے مفتی صاحب خود نہین سمجھے

اقول - مفتی صاحب کی تحریر کا خلاصہ ناظرین ماسبق مین ملاحظہ فرما چکے ہین جو شخص حسن تالیف ضبط مقاصد استیعاب شقوق اتمام تقریب براعۃ الاستہلال وغیرہ وغیرہ محاسن کلام سمجھنے کی لیاقت رکھتا ہوگا وہ مفتی صاحب کے جواب کی قدر کریگا۔ آپ تو اس کا ایک لفظ بھی نہین سمجھے ناسمجھی سے منہ آرہے ہین۔

قال الکجوجوی - ورنہ چارون شانے چت نہ گرتے۔

اقول - ؎ اگر دشنام فرمائی وگر نفرین دعا گویم + کلام تلخ مے زیبد لب لعل شکر خارا +

قال الکجوجوی - مفتی صاحب کا مطلب صرف یہ کہ اگر مفتی صاحب کے خدا ایسا ہو جاتا تو اچھا تھا کہ اہل سنت اپنے خدا کی بزرگی و بڑائی کو مدرسہ امینیہ پر چھوڑ دیتے۔

اقول - مفتی صاحب کے کسی کلام اور کسی لفظ سے یہ مطلب نہین نکلتا اور نہ نکل سکتا ہے۔ یہ آپ کا ایجاد ہے۔ اور کل اناء یترشح بما فیہ کا نمونہ۔

قال الکجوجوی - گویا اچھا خاصہ ربڑ ہو جاتا۔

اقول - خدا تعالے جل جلالہ کی شان مین کچھوچھوی صاحب کے یہ الفاظ ان کی ایمانی قوت اور ایقانی حالت کا پورا پتہ دیتے ہین۔ ارتکاب بدعت کا یہ خاص اثر ہے کہ خدا رسول کی عظمت دل سے نکلجاتی ہے۔ وما قدروا اللہ حق قدرہ +

قال الکجوجوی - اب مختصراً مین مفتی صاحب کی رباعی کے ہر مصرع اور خلاصہ کی خبر لیتا ہون۔

اقول - ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کہ آپ خبر لیتے ہین یا اپنی سمجھ اور دیانت کی ناظرین سے خبر لواتے ہین۔

قال الکجوجوی - کہ امام اعظم رحمہ اللہ سے دو روایتین ہین۔ عیدگاہ کے راستہ مین عید الفطر مین تکبیر جائز ہے اور دوسری روایت یہ کہ ناجائز۔ مفتی صاحب نے ناجائز کے لفظ کو پالیا۔ پھر کیا تھا خوب سفت مین اچھلے اور کودے

اقول - مفتی صاحب کے فتوے مین اگر یہ دکھلا دو کہ انہون نے ناجائز کو صحیح یا ارجح کہا ہو تو منہ مانگا انعام لو۔ ورنہ ذرا تو شرماؤ کہ جھوٹی نسبت ان کی جانب کرتے ہو اور پھر آپے سے باہر ہوکر زبان درازی کرتے ہو کہ خوب سفت مین اچھلے اور کودے۔ دیکھو مفتی صاحب کے فتوے مین اس کے آگے یہ عبارت صراحۃً موجود ہے۔

اور صحیح یہی کہ خلاف جہر مین ہے الخ۔ یعنی امام ابو حنیفہ رح سے یہ دوسری روایت جسمین مطلق تکبیر کو ناجائز کہا گیا ہے صحیح نہین ہے۔ بات یہ ہے کہ یا تو آپ مفتی صاحب کا مطلب ہی نہین سمجھے یا جان بوجھکر لوگونکو گمراہ کر رہے ہین

قال الکجوجوی - لیکن کوئی ان سے یہ پوچھے کہ جواز والی روایت مانکر کوئی یہ کہے کہ باتفاق ائمہ ثلثہ عید الفطر مین راستے مین تکبیر بالجہر جائز ہے (کیونکہ صاحبین کے نزدیک تو مفتی صاحب بھی تکبیر بالجہر کو جائز فرماتے ہین) تو مفتی صاحب کا یہ ادعا کہان جائیگا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک عید الفطر مین تکبیر بالجہر مطلقاً نہ راستہ مین نہ عیدگاہ مین نہین ہے۔

اقول - کچھوچھوی صاحب جب آپ مفتی صاحب کے اسقدر صاف اور واضح کلام کا مطلب بھی نہین سمجھے تو کیا یہ امید کیجا سکتی ہے کہ فقہ و حدیث کا (جو عربی اور آپ کی غیر مادری زبان مین ہو) مطلب سمجھ لیتے ہونگے۔

آپ ذرا کان لگا کر سنئے :-

حضرت مفتی صاحب نے عید الفطر کے راستہ مین نفس تکبیر کہنے مین امام صاحب سے دو روایتین ذکر کی ہین

اُس مین جہر کا ذکر نہین ہے مفتی صاحب کے فتوے کو مکرر دیکھئے آپ نے خود مفتی صاحب کا قول نقل کیا ہو اُس مین بھی صرف لفظ تکبیر ہے۔ جہر کا لفظ نہین ہو تو جواز والی روایت کا مطلب صرف یہ ہوا کہ تکبیر جائز ہو۔ بس جواز والی روایت کو مانکر مفتی صاحب پر تکبیر بالجہر کا جواز لازم کر دینا آپ جیسے عقلمندون کا کام ہو۔ ہان جواز والی روایت مان کر مفتی صاحب کو یہ ماننا لازم ہو جائیگا کہ ائمہ ثلثہ کے نزدیک عید الفطر کے راستہ مین تکبیر جائز ہے جہر کا لزوم ہرگز نہ ہوگا۔

چنانچہ مفتی صاحب نے خود عدم جواز کی روایت کو ضعیف اور مرجوح بتا کر تصریح کر دی کہ صحیح یہ ہے کہ خلاف جہر مین ہے۔ یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ عید الفطر کے راستہ مین جہر بالتکبیر کے قائل نہین اور آہستہ کہنا ان کے نزدیک بھی ممنوع نہین۔ اور صاحبین جہر بالتکبیر کے قائل ہین۔ بس مفتی صاحب کا یہ قول کہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک عید الفطر مین تکبیر بالجہر مطلقاً نہ راستہ مین نہ عیدگاہ مین نہین ہے) بالکل صحیح و درست ہے۔

قال الکجوجوی۔ بھلا جن مفتی صاحب نے راستہ مین اتنی ٹھوکرین کھائی ہون الخ۔

اقول۔ اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ ٹھوکرین کس نے کھائین اور صاف و صحیح اردو عبارت کا مطلب بھی کون نہین سمجھا

قال الکجوجوی۔ مقصود یہ ہے کہ احد الجانبین کا ادعا باطل ہے۔

اقول۔ مفتی صاحب مدظلہ کے کلام کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رح کا مذہب روایات صحیحہ معتبرہ کی بنا پر یہ ہے کہ عید الفطر کے راستہ اور مصلے مین تکبیر بالجہر نہین ہے۔ اور جواز والی روایت کا مطلب یہ ہے کہ آہستہ آہستہ تکبیر کہنا اُن کے نزدیک بھی جائز ہے اس کے خلاف آپ نے کیا ثابت کیا۔ اور اس دعوے کا بطلان کدہر سے ثابت ہوگیا عید الفطر مین جہر بالتکبیر امام صاحب کے نزدیک نہ ہونے پر روایات ذیل صراحۃً دلالت کرتی ہین۔

<table>
<tr><td>یخرج الی المصلی غیر مکبر جہرا فی طریقہ نفی التکبیر بالجہر حتی لو کبر من غیر جہر کان حسنا (شرح نقایہ)</td><td>(عید الفطر مین) عیدگاہ کی جانب نکلے اور راستہ مین زور سے تکبیر نہ کہے۔ زور سے تکبیر کہنے کی نفی اسلئے کہ آہستہ کہے تو عمدہ بات ہے۔</td></tr>
<tr><td>ولابی حنیفۃ ان رفع الصوت بالذکر بدعۃ یخالف الامر فی قولہ تعالیٰ واذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفۃ ودون الجہر الا ماخص بالاجماع الخ (کبیری)</td><td>یعنی امام ابوحنیفہ عید الفطر مین جہر بالتکبیر سے اسلئے منع فرماتے ہین کہ ذکر مین آواز بلند کرنا بدعت ہو اور باریتعالیٰ کے قول واذکر الخ کے مخالف ہو مگر جو موقعہ کہ باجماع خاص کیا گیا وہ مستثنے ہے۔</td></tr>
<tr><td>ولا یکبر فی طریقہا (تنویر الابصار)</td><td>عید الفطر کے راستہ مین تکبیر (بالجہر) نہ کہے۔</td></tr>
<tr><td>واما فی عید الفطر فلا یجہر بالتکبیر عند ابی حنیفۃ (بدائع)</td><td>عید الفطر مین امام ابوحنیفہ کے نزدیک جہر بالتکبیر نہ کرے۔</td></tr>
<tr><td colspan="2">راستہ کا ذکر کرنے سے یہ مطلب نہین ہے کہ گھر مین یا مصلے مین امام صاحب تکبیر بالجہر کے قائل ہین۔ بلکہ جب راستہ مین نہین تو گھر مین اور مصلے مین بدرجۂ اولیٰ نہین۔</td></tr>
<tr><td>قولہ فی طریقہا لیس التقیید بہ للاحتراز عن البیت او المصلے وانما ہو لبیان المخالفۃ بین عیدی الفطر والاضحے فان السنۃ فی الاضحے التکبیر فی الطریق کما سیأتی فافہم (رد المحتار)</td><td>راستہ کی قید گھر یا مصلے سے احتراز کرنیکے لیے نہین ہو کہ ان مین امام کے نزدیک تکبیر بالجہر جائز ہو بلکہ یہ صرف اسلئے ذکر کی ہو کہ عید الفطر اور عید الاضحے کا فرق بیان کیا جائے کیونکہ عید الاضحے کے راستہ مین جہر بالتکبیر سنت ہے۔ (اور عید الفطر کے راستہ مین نہین)</td></tr>
<tr><td>وفی غایۃ البیان المراد من نفی التکبیر بصفۃ</td><td>اور غایۃ البیان مین ہو کہ نفی تکبیر سے مراد نفی جہر بالتکبیر ہو۔ اور آہستہ کہنے</td></tr>
</table>

الجہر لا خلاف فی جوازہ بصفۃ الاخفاء ام فالد ان الخلاف بین الامام وصاحبیہ فی الجہر والاخفاء لا فی اصل التکبیر وقد حکی الخلاف کذلک فی البدائع والسراج والمجمع ودرر البحار والملتقی والدرر والاختیار والمواہب والامداد والایضاح والتاتارخانیۃ والتجنیس والتبیین ومختارات النوازل والکفایۃ والمعراج وعزاہ فی النہایۃ الی المبسوط وتحفۃ الفقہاء وزاد الفقہاء (رد المحتار)

کے جواز مین خلاف نہین ہے انتہی۔ اس عبارت نے بتایا کہ امام صاحب اور صاحبین مین خلاف جہر اور اخفاء مین ہے نہ اصل تکبیر مین یعنی امام صاحب کے نزدیک عید الفطر مین جہر بالتکبیر نہین ہا اور خلاف اس طرح نقل کیا ہی بدائع اور سراج اور مجمع اور درر البحار۔ اور ملتقی۔ اور درر اور اختیار اور مواہب اور امداد اور ایضاح اور تاتارخانیہ اور تجنیس اور تبیین اور مختارات النوازل اور کفایہ اور معراج مین اور نہایہ مین اسکی نسبت طرف مبسوط اور تحفۃ الفقہاء اور زاد الفقہاء کے کی ہے۔

غرضکہ تمام متون اور شروح اور فتاوے مین حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رح کا مذہب معتمد یہی بیان کیا گیا ہی کہ ان کے نزدیک عید الفطر کے رستہ یا عیدگاہ مین تکبیر بالجہر نہین ہی جن کتابون کے نام علامہ شامی نے عبارت منقولہ بالا مین ذکر کئے ہین یہ سب مذہب حنفی کی مشہور اور مرجع الفتوے کتابین ہین۔

ان سب کے خلاف بعض کتب مثل قہستانی اور نہر وغیرہما مین امام صاحب سے ایک روایت جہر کی بھی نقل کی گئی ہی مگر ظاہر ہے کہ وہ روایت ان مشاہیر کتب اور متون و شروح کی روایت کے مقابلہ مین کسی طرح درجہ ثبوت کو نہین پہنچ سکتی کیونکہ اصحاب متون نے جو نقل مذہب کے اساطین ہین اسے قطعاً چھوڑ دیا ہے۔ پس اس مین کوئی شک نہین رہا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب روایات صحیحہ معتمدہ کی بنا پر وہی ہے جو مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔

اب کوئی کچھوچھوی صاحب سے پوچھے کہ کیون صاحب مفتی دہلوی مدظلہ کا ادعا صحیح ہے یا نہین۔ اگر اب بھی آپ کہین کہ نہین تو مہربانی فرماکر یہ بتائین کہ کیا یہ تمام کتابین غیر مقلدون وہابیون کی ہین اور کیا یہ سب جھوٹے ہین صرف آپ یا آپ کے ہم خیال سچے ہین۔

قال الکچھوچھوی۔ ہان مختار یا راجح جو چاہو بربنائے روایت غیاثیہ کہلو۔

اقول۔ کیون صاحب ابھی تک آپ کو اس کے مختار و راجح ہونے مین بھی تردد ہے جناب من صرف روایت غیاثیہ نہین بلکہ امام اعظم کا یہ قول وجوہ کثیرہ سے راجح ہے۔ وہ یہ ہین۔ اول عید الفطر کے راستہ اور مصلے مین تکبیر بالجہر کا نہ ہونا تمام اصحاب متون و شروح و فتاوے نے حضرت امام اعظم سے نقل کیا ہے اور یہ دلیل اسکے صحیح اور قوی ہونیکی ہے۔ جیساکہ شامی وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ دوم یہ کہ شامی نے کہا ہے کہ عبادات مین مطلقاً فتوے امام اعظم کے قول پر ہوتا ہے الا ماشاء اللہ۔ تیسرے یہ کہ امام کے اس قول کی محققین مذہب نے توثیق اور تعلیل کی ہے جیسے کہ ابن ہمام۔ علامہ حلبی صاحب بحر وغیرہم۔ چوتھے غیاثیہ مین اسے ماخوذ بہ کہا ہے۔ پانچوین علامہ شیخ قاسم نے اپنی تصحیح مین امام کے قول کو معتمد بتایا ہے۔ کما فی رد المحتار۔ چھٹے یہ کہ مولانا عبدالحی رح لکھنوی سباحۃ الفکر مین لکھتے ہین کہ فقہائے امام اعظم رح کی دلیل مین یہ بیان کیا ہے کہ عید الفطر کے راستہ مین جہر بالتکبیر بدعت ہے۔ تو ان کی مراد یہ ہے کہ راستہ مین اس طریقہ مخصوصہ معلومہ من الشرع فی الاضحے کیطرح تکبیر بالجہر کہنا ایک ایسے امر کا التزام کرنا ہے جو شریعت مین معہود نہین اس لیئے بدعت ہے اسی طرح اسپر بدعت کا اطلاق علامہ ابن ہمام۔ علامہ حلبی صاحب بحر الرائق وغیرہم نے کیا ہے۔ اور ترک بدعت بہرحال تحصیل مستحب سے اہم اور مقدم ہے۔ سردست ان وجوہ ستہ پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ

وجوہ ترجیح اور بھی بہت ہیں۔

قال الکجوجوی۔ مگر ذرا سوچ سمجھکر یہ بخار کن لوگوں کیطرف ہے الی قولہ حضرت امام اعظم نے اہل کوفہ کو مساجد میں تکبیر سے منع نہیں فرمایا

اقول۔ اول تو یہ فرمایئے کہ آپ نے جامع التفاریق کی عبارت میں ایام تشریق کا لفظ ملاحظہ فرمایا ہے یا نہیں اگر نہیں تو کیا عالم خواب میں سباحۃ الفکر کا مطالعہ کیا تھا۔ اور اگر دیکھا تھا تو اس لفظ کو ترجمہ میں سے کیوں اڑا دیا۔ یہ ہے آپ کی دیانت داری۔ دوسرے یہ کہ اس روایت میں ایام تشریق کا لفظ موجود ہے اس لئے اسکو عید الفطر کے راستہ یا مصلے میں تکبیر بالجہر کہنے سے کیا علاقہ۔ تیسرے یہ کہ ذرا اسی روایت کو پھر آنکھیں کھولکر دیکھئے اس میں جہر کا لفظ کہاں ہے۔ اس کا مطلب تو صرف اسیقدر ہے کہ امام نے ایام تشریق میں مساجد میں تکبیر کہنے سے منع نہیں فرمایا تو اسکو منع کون کرتا ہے۔ لوگ آہستہ آہستہ تکبیر کہیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ چوتھے ان امور مذکورہ سے اگر قطع نظر کر لیجائے تاہم جامع التفاریق کی یہ روایت اُن سینکڑوں متون و شروح و فتاوی کی نصوص بینہ کا مقابلہ کسی طرح نہیں کر سکتی جو ابھی ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ پانچویں امام صاحب نے تمام اہل کوفہ کو منع نہیں فرمایا جن میں عوام و خواص سب داخل ہو گئے۔ حالانکہ خواص کے لئے ممنوع ہونا خود آپ تسلیم کر چکے ہیں دیکھئے آپ کے یہ الفاظ ہیں (مفتی صاحب کا سرمایہ صرف فتاوی عالمگیری ہے اُس میں حکم صرف خواص کیلئے ہے ص۹) چھٹے سباحۃ الفکر میں اسی جامع التفاریق کی روایت میں بازاروں کا لفظ بھی تو ہے اُسے آپ نے کیوں اڑا دیا۔ یوں فرمایئے کہ امام اعظم نے بازاروں اور مسجدوں میں ایام تشریق میں تکبیر کہنے سے منع نہیں فرمایا۔ اور پھر اس روایت کی آڑ میں مولین کے بازاروں میں بھی ذکر و تکبیر بالجہر کے حلقے قائم کرا دیجئے۔ تاکہ اس روایت پر پورا پورا عمل ہو جائے۔

سُنئیے اور یاد رکھئے کہ نہ تو یہ روایت حضرت امام اعظم سے ان صدہا روایات کے مقابلہ میں قابل اعتماد اور نہ اسکو عید الفطر کی تکبیر سے کچھ تعلق۔ مگر آپ کو تنکے کا سہارا بھی کافی ہو جاتا ہے۔

قال الکجوجوی۔ حضرت فقیہ ابو اللیث جواز تکبیر فی الاسواق پر امام ابراہیم بن یوسف کا فتوے نقل کرتے ہیں۔

اقول۔ اس میں بھی آپ نے ایام عشر کا لفظ اڑا دیا۔ امام ابراہیم بن یوسف سے عشرہ ذی الحجہ میں جواز تکبیر کا فتوی فقیہ ابو اللیث نے نقل کیا ہے تو اسکو عید الفطر کی تکبیر بالجہر سے کیا تعلق۔ پھر یہ کہ ایام عشر میں بھی تکبیر بالجہر کا جواز اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں جہر کا ذکر نہیں ہے۔ اور یہ تو فرمایئے کہ تاجدار مذہب امام ابو حنیفہ رح کے قول کے مقابلہ میں آپ نے امام ابراہیم رح کے قول اور فتوے کو ترجیح کس طرح دیدی۔

قال الکجوجوی۔ چنانچہ ابو جعفر ہندوانی انہیں روایتوں کی بناء پر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک عوام اس کار خیر سے منع نہ کیے جائینگے کیونکہ ان کو خیرات کیطرف رغبت کم ہوتی ہے۔

اقول۔ امام ابو جعفر ہندوانی سے یہ روایت بے شک سباحۃ الفکر میں نقل کی گئی ہے۔

وقال ابو جعفر الهندوانی عندی انه لا ینبغی ان یمنع العامة من ذلک لقلة رغبتهم فی الخیر وبه ناخذ کذا فی البنایة انتهی۔ (سباحۃ الفکر)	یعنی امام ابو جعفر ہندوانی رح نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ بات ہے کہ عوام کو اس سے روکنا مناسب نہیں کیونکہ انہیں خیر کی رغبت کم ہوتی ہے اور اسیکو ہم اختیار کرتے ہیں۔

بس یہ روایت آپ لوگوں کی بڑی سے بڑی پونجی ہے۔ مگر سنئے۔ اول یہ کہ امام صاحب رح کے جہر بالتکبیر سے روکنے کے

مقابلہ مین امام ابوجعفر رح نے یہ اپنا خیال ظاہر فرمایا ہے۔ اور پھر زیادہ سے زیادہ انھون نے بھی روکنے کو نامناسب کہا ہے۔ یہ نہین کہ روکنا جہالت یا ضلالت یا غیر مقلدی یا وہابیت ہے۔

دوسرے نہ روکنے کی دو صورتین ہین۔ اول یہ کہ عوام کو تکبیر کہتے وقت نہ روکا جائے۔ کہنے دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ عوام مسئلہ پوچھین تو ان کو سوال کا جواب بھی یہی دیا جائے کہ کہو کچھ حرج نہین۔ ان دونون صورتون مین سے امام ابوجعفر رح کے قول مین یقیناً پہلی صورت مراد ہے۔ کیونکہ اگر دوسری صورت مراد ہو کہ ان کو سوال کے جواب مین بھی یہی کہا جائے کہ پڑھو کچھ حرج نہین تو اس مین مسائل شرعیہ کی تخلیط و تلبیس لازم آتی ہے یعنی اس صورت مین مطلب یہ ہوگا کہ عوام کو اصل مسئلہ کی تعلیم بھی نہ دیجائے اور شریعت کا اصل حکم بھی نہ بتایا جائے اور یہ باطل ہے کیونکہ مسئلہ بتاتے وقت یہ کہدینا کہ جہراً تکبیر کہنا اچھا نہین۔ سراً کہنا چاہیے۔ اس مین کوئی انقطاع خیر لازم نہیں۔

تیسرے امام ابوجعفر رح نے عوام کو جہر سے روکنا مناسب نہین سمجھا۔ خواص کو ان کے نزدیک بھی روکنے مین کوئی مضائقہ نہین ہے۔

چوتھے انہین امام ابوجعفر رح سے یہ روایت بھی مروی ہے۔

وهل يكبر في ايام العشر في الاسواق قال الفقيه ابو جعفر رح سمعت ان مشائخنا رحمهم الله تعالى يرون ذلك بدعة انتهى (فتاوی قاضیخان)	کیا عشرہ ذی الحجہ مین بازارون مین تکبیر کہے۔ فقیہ ابوجعفر رح نے فرمایا کہ مین نے سنا کہ ہمارے مشائخ اسے بدعت سمجھتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ فقیہ ابوجعفر کے مشائخ جہر بالتکبیر فی الاسواق کو بدعت فرماتے تھے۔ بہر حال امام ابوحنیفہ رح اور تمام مشائخ مذہب عید الفطر مین مطلقاً اور اضحے مین بھی جہر بالتکبیر فی الاسواق کو پسند نہین کرتے اور بدعت فرماتے ہین۔ امام ابوجعفر بھی عوام کو منع کرنے کو صرف نامناسب کہتے ہین تو احوط اور اشبہ بالصواب یہی ہے کہ جہر بہتر نہین کیونکہ تاجدار مذہب اور تمام مشائخ کا اتباع اسی مین ہے۔

پانچوین یہ کہ نفس تکبیر بالجہر سے اگر امام ابوجعفر منع نہین فرماتے تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوگیا کہ تخصیصات و تقییدات و اجتماع و اہتمام بھی ممنوع نہین ہے۔ ہم اوراق سابقہ مین حضرت عبداللہ بن عمر رض اور حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے صلوٰۃ ضحےٰ کے اہتمام اور اسکے لیئے اجتماع کو بدعت فرمانا نقل کر چکے ہین۔ پس اس اہتمام اور ہیئت اجتماعیہ کا جواز امام ابوجعفر کی اس روایت سے بھی ثابت نہین ہو سکتا۔

قال الکجوجوی۔ ایسی بہت سی روایتین ہین جن پر مفتی صاحب کی توجہ نہیں ہوئی الخ۔

اقول۔ صرف امام ابوجعفر کی روایت ہے جسے دو چار کتابون مین نقل کیا گیا ہے اور باقی تمام متون و شروح میں خود تاجدار مذہب و دیگر مشائخ عظام سے جہر بالتکبیر کا عید الفطر مین بدعت ہونا یا غیر مستحب ہونا مذکور ہے۔

قال الکجوجوی۔ لیکن حیرت اس جری المتقدمین ہے جو ان ارشادات عالیہ کی توہین یون کرتا ہے کہ ایک ابوجعفر کے قول کو لیکے لٹکتے رہو عیاذاً باللہ۔

اقول۔ مانع امام صاحب نے یہی تو کہا کہ ایک ابوجعفر کے قول کو لیکے لٹکتے رہو۔ اس مین امام ابوجعفر رحمہ اللہ کی توہین کے کون سے الفاظ ہین ذرا ہوش مین آیئے۔ خواہ مخواہ عوام کو بھڑکانا کوئی عقلمندی کی بات نہین ہے۔ تاجدار مذہب و مشائخ عظام کے ارشادات عالیہ تمام متون و شروح و کتب معتبرہ مین موجود ہین کیا عید الفطر مین

عوام کو منع نہ کرنے کا قول سوائے امام ابو جعفر کے آپ نے کسی اور سے بھی نقل کیا ہے۔ مانع پیش امام نے اپنے مخاطبین کو لکھتے رہو کہا ہے اگر یہ لفظ ان کی شان کے مناسب نہ تھا تو اسی امام ابو جعفر کی توہین کس طرح ہو گئی۔

مگر حیرت اُس جری و بیباک سی ہے کہ جو عید الفطر مین جہر بالتکبیر سے روکنے والون کو (جن مین حسب روایات مستندہ صحیحہ و حسب تصریح معتبرات و مشاہیر کتب فقہ امام ابو حنیفہ اور تمام اصحاب متون و شروح و فتاوی اور خود امام ابو جعفر جو خواص کو منع کرنیکو نامناسب بھی نہین کہتے) مناع للخیر وہابی غیر مقلد کہتا ہی اور ذرا نہین ڈرتا کہ ان ائمہ عظام و اساطین اسلام کے حق مین ایسے الفاظ کہنے سے ایمان کی بو بھی باقی نہین رہ سکتی۔ جو الفاظ کچھ جو بصاحب نے استعمال کیے ہین ان کا دسوان بیسوان حصہ بھی مانع پیش امام کے الفاظ مین امام ابو جعفر کے متعلق موجود نہین مگر پھر بھی ان کے الفاظ کی نقل بھی آپ کو ناگوار ہے اور اپنے مونہہ اور زبان سے یہ موٹے موٹے کلمات توہین نکالنے سے خوف نہین آتا۔ اگر مانع پیش امام صاحب نے جہر بالتکبیر بہیئت مخصوصہ کو بدعت کہا تھا تو ان کے قول کے موافق خود تاجدار مذہب سے اسکا بدعت ہونا صحیح و صریح روایات سے ثابت کر دیا گیا۔ اسپر پیش امام کو وہابی اور مناع للخیر کہنے والا گویا امام ابو حنیفہ و مشائخ عظام کو وہابی اور مناع للخیر کہتا ہے فافہم۔

قال الجوجوی۔ غرض یہ کہ مفتی صاحب کا سرمایہ صرف فتاوے عالمگیری اور اس مین حکم صرف خواص کے لئے۔ عوام کا حکم دیگر اسفار کتب مین بالتصریح موجود۔

اقول۔ روز روشن مین آفتاب پر خاک ڈالنا اسی کو کہتے ہین۔ فقہ کی جس قدر کتابین معتمد و مستند ہین اور متون جو نقل مذہب مین اصل ہین سب نے امام صاحب کا مذہب معتمد یہی نقل کیا کہ ان کے نزدیک جہر بالتکبیر عید الفطر مین نہین۔ اور کتب مختلفہ مین امام صاحب کے قول کا ماخوذ بہ ہونا مصرح جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ امام صاحب کے قول مین خواص و عوام کا کوئی فرق نہین جیسا کہ ان کے قول کی تعلیل سے ثابت ہوتا ہے عوام کے لئے اجازت امام ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ کا عندیہ اور خیال اسی کو بعض کتب مین نقل کیا گیا جس سے ہمارے مہربان سمجھ بیٹھے کہ اصل مذہب مین عوام اور خواص کی تفریق ہے۔ زندہ باش۔ یہ قصہ تو عید الفطر کے راستہ یا مصلے مین جہر بالتکبیر کے متعلق ہے متعلق یہ عرض ہے کہ عید الاضحے کے مصلے مین پہونچکر تکبیر منقطع کر دیجائے یا نہین اس مین دو روایتین ہین ایک یہ کہ مصلے مین پہونچ کر جہر بالتکبیر قطع کر دیا جائے۔ (یعنی لوگ اگر تکبیر کہنا چاہین تو آہستہ آہستہ کہتے رہین)۔

اور یہی روایت اصل مذہب اور تمام متون و شروح مین بصیغہ جزم منقول ہے اور اسی کو بدائع اور درایہ اور تحفہ اور مبسوط اور شرح طحاوی مین جزماً بیان کیا اور اسی کو غیاثیہ مین ماخوذ بہ کہا۔

اور دوسری روایت یہ کہ نماز شروع ہونے تک تکبیر کہتے رہین اس کو کافی مین وفی دوایۃ کے لفظ سے نقل کیا ہے۔ پھر کافی سے بنایہ اور کبیری اور مراقی الفلاح اور طحطاوی علے مراقی الفلاح اور بحر اور درمختار مین بلفظ وفی رواتیہ یا بلفظ قیل نقل کی گئی۔ اور بحر و طحطاوی و درمختار مین وعلیہ عمل الناس یا وعلیہ عمل الناس الیوم یا و عمل الناس فی المساجد علے الروایۃ الثانیۃ اسکے متعلق کہا گیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونون روایتون مین سے راجح اور قابل فتوے کونسی روایت ہے۔ حضرت

مفتی صاحب دہلوی نے روایت اولی کو ترجیح بتایا ہے۔ اس کی ترجیح کے وجوہ یہ ہیں۔
اول تمام متون میں عید الاضحے میں تکبیر بالجہر کہنے کو طریق یعنی راستہ کے ساتھ مقید کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مصلے میں جہر نہیں ہے اور مفہوم غایت یا لقب روایات فقہیہ میں اتفاقاً معتبر ہے (درمختار)
ملاحظہ ہوں روایات ذیل :-

ویکبر جهرا فی الطریق (وقایہ)	عید الاضحے کے راستہ میں جہراً تکبیر کہتا جائے۔
ویستحب التکبیر جهرا فی طریق المصلی یوم الاضحی اتفاقا (کبیری) ویکبر فی الطریق جهرا (کنز)	عید الاضحے میں راستہ میں زور سے تکبیر کہنا اتفاقاً مستحب ہے۔ راستہ میں زور سے تکبیر کہے۔
ویتوجه الی المصلی وهو یکبر لانه صلی الله علیه وسلم کان یکبر فی الطریق (ہدایہ)	اور عیدگاہ کی طرف تکبیر کہتا ہوا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں تکبیر کہتے تھے۔
فان السنة فی الاضحی التکبیر فی الطریق (رد المحتار)	کیونکہ اضحے میں راستہ میں تکبیر کہنا سنت ہے۔
ویکبر فی الطریق جهرا اشار بذکر الطریق الی ما فی المبسوط وشرح الطحاوی انه یقطعه اذا انتهی الی الجبانة (طحطاوی علی مراقی الفلاح)	اور راستہ میں زور سے تکبیر کہتا جائے۔ راستہ کا ذکر کرکے اس بات کیطرف اشارہ کیا جو مبسوط اور شرح طحاوی میں ہے کہ عیدگاہ پہنچ کر تکبیر بالجہر کو قطع کردے۔
ویکبر جهرا فی الطریق قیل وفی المصلی (درمختار) ویتوجه الی المصلی وهو یکبر جهرا ویجهر بالتکبیر الی ان یاتی المصلی فی قولهم جمیعا (جوہرہ)	اور راستہ میں زور سے تکبیر کہے اور کہا گیا کہ عیدگاہ میں بھی۔ اور عیدگاہ کیطرف چلے اور تکبیر زور سے کہتا جائے اور جہر بالتکبیر یہاں تک کرے کہ عیدگاہ پہونچے۔
ومنها ان یغدو الی المصلی جاهرا بالتکبیر فی عید الاضحی فاذا انتهی الی المصلی ترکه (بدائع)	اور سنن عید میں سے یہ ہے کہ سویرے سے عیدگاہ کو زور سے تکبیر کہتا ہوا عید الاضحے میں جائے۔ اور عیدگاہ پہونچکر ترک کردے۔

دوم یہ کہ فقہا نے اس روایت کی دلیل میں آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی یہی نقل کیا ہے۔ کہ آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم راستہ میں عیدگاہ پہونچنے تک تکبیر کہتے تھے۔ جیسا کہ ہدایہ سے منقول ہو چکا۔ اور بدائع میں ہے۔

لما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یکبر فی الطریق (بدائع)	بوجہ اسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ راستہ میں تکبیر کہتے تھے۔
روی الحاکم فی المستدرک مرفوعا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یکبر فی الطریق ولم یذکر الجهر (التعلیق المغنی)	حاکم نے مستدرک میں مرفوعاً روایت کی کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں تکبیر کہتے تھے اور جہر کا ذکر نہیں کیا۔

سوم۔ یہ کہ بدائع اور درایہ اور تحفہ اور مبسوط میں اسی روایت کو جزماً بیان کیا۔ اور یہ اس کے صحیح اور معتمد ہونے کی دلیل ہے۔

چہارم۔ یہ کہ فتاوے غیاثیہ میں اسکو ماخوذ بہ کہا ہے اور درمختار میں ہے کہ جب کسی روایت کو ماخوذ بہ کہدیا جائے تو اسی پر فتوے دینا متعین ہو جاتا ہے۔

پنجم۔ یہ کہ عیدگاہ مین تکبیر کہنے کی روایت کے متعلق وعلیہ عمل الناس وغیرہ جو کہا گیا ہی اگر اس لفظ کو لفظ وہو المأخوذ کے برابر بھی مان لیا جائے تو اس جہت سے دونون روایتین برابر ہو گئین۔ پھر پہلی روایت کو اس لیے ترجیح ہوگی کہ وہ اصل مذہب اور متون کی روایت اور مؤید بالاحادیث ہی اور وہی لائق فتوے ہوگی۔

قال الکجوجوی۔ ذرا پھر تو سباحۃ الذکر دیکھئے کہ صاحب جامع التفاریق یہ لفظ کہتے ہین۔

اقول۔ بہ ناخذ کیا تکبیر بالجہر فی المصلے کے متعلق جامع التفاریق مین کہا گیا ہے۔ معلوم نہین لوگون کو بہکانا اور دہوکا دینا آپ کے نزدیک کوئی ثواب کی بات ہے۔ آجی حضرت سباحۃ الفکر مین تو جامع التفاریق سے لفظ بہ ناخذ تکبیر بالجہر فی الاسواق کے متعلق نقل کیا ہے اس کو جہر بالتکبیر فی المصلے پر چپکا دینا آپ کا کام ہے۔ ہان یون کہئے کہ انہون نے تو تکبیر بالجہر فی الاسواق کے متعلق کہا ہے اور ہم نے تکبیر فی المصلے کو اسپر قیاس کر لیا۔ نیز یہان پر آپ نے سباحۃ الفکر کی عبارت سمجھنے مین کئی غلطیان کی ہین جنہین ہم کسی دوسرے وقت مفصلاً ظاہر کرین گے۔

غرض یہ کہ جامع التفاریق و بنایہ کا بہ ناخذ تکبیر بالجہر فی المصلے کے متعلق نہین ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کے بھی متعلق ہے (جیسا کہ مراقی الفلاح مین ہی جہان تک آپ کی نظر بھی نہین پہونچی) تاہم مفید نہین کیونکہ یہ لفظ ہو المأخوذ بہ سے اقوے نہین ہی کہ وجہ ترجیح ہو سکے۔ لہذا راجح وہی پہلی روایت ہے۔

قال الکجوجوی۔ مفتی صاحب کہتے ہین کہ عید الفطر کے راستہ مین وغیرہ وغیرہ جس کا بطلان بالکل ظاہر۔

اقول۔ مین اوپر کتب فقہ معتمدہ مشہورہ سے ثابت کر چکا ہون کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے عید الفطر کے راستہ مین تکبیر بالجہر کو بدعت فرمایا ہی اور یہی ان کا مذہب معتمد اور صحیح ہی۔ تو اسکو باطل کہنے والا امام اعظم کے قول کو باطل کہتا ہے۔ کیون نہ ہو آخر مجدد مایۃ حاضرہ کا اتنا فیض تو ہونا ہی چاہئے تھا۔ کہ تاجدار مذہب امام اعظم کے اقوال پر بطلان کا حکم لگانیکی لیاقت تو ہو گئی۔

قال الکجوجوی۔ اور ہمارے نزدیک اس کا یعنی ذکر بالجہر کا جواز مقید ہے اس سے کہ کسی نائم و مصلی کو اذیت نہ دے الخ۔

اقول۔ کیون کچھوچھوی صاحب جواز ذکر جہر کے لئے بس یہی قید ہے تو ذرا مہربانی فرما کر بتائیے کہ اگر مولین والے یا اور کسی جگہ کے آپ کے معتقد عیدین کی نماز سے پہلے بجائے تکبیر کے اذان کہنا شروع کر دین یعنی تمام لوگ کھڑے ہو کر اذان کہین تو آپ اسی اصول کے موافق ان کو اجازت دین گے یا نہین۔ اگر دین گے تو اقرار کیجئے۔ پھر دیکھئے کیا کیا گل کھلتے ہین۔ اور نہ دین تو وجہ فرق بیان کیجئے۔ اذان ذکر بالجہر کے افراد مین لامحالہ داخل ہی۔ اور اس سے اس موقعہ پر کسی نائم یا مصلی کو اذیت بھی نہین۔

قال الکجوجوی۔ فتوے حرمت کے کیا معنے۔

اقول۔ مفتی صاحب کے کلام مین حرمت کا فتوے دکھاؤ ورنہ جھوٹ بولنے سے توبہ کرو۔

قال الکجوجوی۔ کسی عمل خیر پر مداومت کرنا شرعاً کیسا ہے اور جواباً کہدے کہ نہایت محمود الخ۔

اقول۔ مداومت اگر عمل فرض و واجب کے ہو تو قطعاً مذموم بلکہ نوافل و مستحبات پر استحباب مداومت کا مطلب یہی ہے کہ اغلب اوقات مین عمل کرے اور احیاناً چھوڑ دے کما فی الفتح والبدائع وغیرہما۔

قال الکجوجوی۔ ہنڈارد ج پر ہماً نہایت صحیح و درست ہے۔

اقول۔ یہ ہے تعلیم و حجت امام ابو جعفر کے قول کا مطلب بھی یہ نہین کہ عوام کے ذکر جہر کو نہایت صحیح و درست بتاؤ بلکہ قول دو کی تلقین کرو بلکہ ان کو اصل مسئلہ سمجھانا چاہیئے کہ عید الفطر مین جہر بالتکبیر راستہ یا مصلے مین نہ کرین اور اضحیٰ مین مصلی مین آہستہ تکبیر پڑہین

نیز یہ رواج جو بر ہما میں ہو کر اس خاص ہیئت سے تکبیر پڑھتے ہیں یقیناً بدعت ہی دیکھو ہمارا کلام سابق متعلق بالسوال۔

قال الکچوچوی۔ اور کسی مناع للخیر وہابی غیر مقلد کی نہ سنیں۔

اقول۔ یہ الفاظ ہی تو آپ کے چلتے ہوئے افسون ہیں جن کے ذریعہ سے آپ عوام کو علمائے اہل حق اہل سنت والجماعت متبعین کتاب وسنت سے برگشتہ کرتے ہیں لیکن تابکے۔

کچھوچھوی صاحب نے یہان تک اپنی علمی لیاقت اور فقہ وحدیث دانی کا ثبوت پیش کرکے ایک قدم اور بڑھایا اور حضرت مفتی علامہ کی عبارت میں ایک غلطی نکالی۔ فرماتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کو عید الضحےٰ لکھا ہے۔

جواباً عرض ہی کہ ؎ این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند یعنی اگر واقعی فتوے میں بسبقت قلم سے عید الضحےٰ لکھا گیا ہو تاہم کچھوچھوی صاحب کے پاس اس کا کیا جواب ہی کہ اسی صفحہ کی سطر ۹ و ۱۰ میں خود بدولت بھی اپنی عبارت میں عید الاضحیٰ کو دو جگہ عید الضحےٰ تحریر فرماتے ہیں۔ مفتی دہلوی مدظلہ کی لیاقت سے تو سارا ہندوستان واقف ہی اور انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کی سند ائمہ مذہب کے اقوال صحیحہ صریحہ سے ہم نے پیش کر دی ہی اور یہ بھی دکھا دیا ہے کہ آپ نے ائمہ کو چھوڑا نہ صحابہ کو نہ خدا کو۔ نعوذ باللہ خدا کو اچھا خاصہ ربڑ بنایا صحابہ کو مناع للخیر کہا امام اعظم کو مناع للخیر اور ان کے قول کو باطل فرمایا۔ اور پھر بھی آپ اچھے خاصے حنفی مسلمان بنے رہے۔

آپ کی لیاقت کے دو نمونے تو حمد وثنا کی عبارت میں پیش کر چکا ہوں اب آخری سطروں کو لیجیے بجائے الجامعۃ الاشرفیہ کے آپ جامعۃ الاشرفیہ اور ایک عجمی علم کچھوچھہ پر الف لام داخل کرکے الکچھوچھہ تحریر فرماتے ہیں۔

آخر میں

جناب محمد واحد سیا کلے صاحب تشکر کے عنوان کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں کہ (اس رسالہ میں اجلہ علماء کرام ہندوستان کے فتووں سے مسلمانوں کو سلف صالحین کا راستہ دکھایا گیا ہے اور وہابیت وغیر مقلدیت کے کانٹوں سے بچایا گیا ہے)

ان کی خدمت میں یہ عرض ہی کہ ان علماء کا جن کے دستخط آپ کے رسالے میں ہیں اجلۂ علماء کرام ہندوستان ہونا اگر صرف آپ کا اجتہادی خیال ہے تو گویا ماشاء اللہ آپ کو بھی اتنی قوت ممیزہ حاصل ہی کہ علمائے ہندوستان کا فرق مراتب معلوم کر گئے یا کسی نے آپ کو یہ تلقین کر دیا کہ اپنے رسالہ کے علماء کو اجلہ علمائے کرام ہندوستان ظاہر نہ کرو گے تو فتوے کا اچھا اثر نہ ہو گا اس لیے آپ نے یہ چال چلی ہے۔

پھر آپ نے سلف صالحین میں سے کسی ایک سے بھی یہ طریقہ مروجہ برہما نقل کرکے دکھایا کہ اس طریقہ سے تکبیر کہی جاتی تھی یا عوام کو گراؤ تو بدعت کے گڑھے میں اور سمجھاؤ یہ کہ سلف صالحین کا یہی طریقہ تھا۔

امام اعظم ابوحنیفہ کے قول کو آپ نے پس پشت ڈالا۔ فقہاء معتبرین کے اقوال وتصریحات کو آپ نے چھپایا اور اجتہاد کرنے بیٹھے تو اعظم التفاسیر کی عبارتوں سے جو تقریباً تمام کی تمام نواب صدیق حسن خان صاحب کی تفسیر کا ترجمہ ہی اور اس ترجمے پر لوگوں کو غیر مقلدی کے کانٹوں سے بچانے کا دعوے کرتے ہو یا آڑ میں غیر مقلد بناتے ہو۔ اور بجائے کتب فقہ کے انہیں اہلحدیث کی تفسیروں اور کتب احادیث وغیرہ سے استدلال کرنا سکھلاتے ہو۔

پھر رواج برہما کو اس وجہ سے کہ سینکڑوں برس سے مسلمانان اہل سنت عوام وخواص علماء وائمہ کرتے چلے آئے ہیں ٹھیک بنا کر اپنی لیاقت کا پورا ثبوت دیتے ہو۔ کیونکہ خواص۔ علماء وائمہ کے ذمے تمہارا یہ بہتان ہے کہ وہ بھی

اس رواج کے پابند تھے۔ امام ابوجعفر کے قول سے استدلال کرتے ہوئے اُس میں صرف عوام کو نہ روکنا مذکور ہے جس کا مطلب یہ کہ اگرچہ افضل ذکر بالسر ہی ہے لیکن ان کو روکنے سے اندیشہ ہے کہ وہ بالکل ذکر چھوڑ دیں اس لیئے عوام کو نہ روکو۔ تم اتنے بڑھ گئے کہ اس رواج کو خواص علماء اللہ کا فعل بنادیا۔ شاباش ہے تمہاری جرأت و بہادری کو۔

پھر ذرا اپنے مجدد مائۃ حاضرہ مجتہد بریلوی سے تو پوچھو کہ انہوں نے خطبہ کی اذان کو جو مسجد میں خطیب کے روبرو قرنہا قرن سے متعارف و معمول بہ ہے کیسے بدعت کہدیا ہے۔ اور صدیوں کے اس دینی تعامل کے مٹانے کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ اہل مولمین حق بات کو سمجھیں گے۔ بالخصوص جن اصحاب کے اسماء گرامی آپکے رسالہ کے صفحہ ۳ و ۴ پر درج ہیں جب اُن کو یہ مسئلہ معلوم ہوگا کہ تکبیر بالجہر کا یہ طریقہ خلاف سنت ہے اور اس کا التزام اور ہیئت اجتماعیہ بدعت ہے۔ اور محلے میں آہستہ آہستہ تکبیر کہنا ہی بہتر اور افضل ہے۔ اور حنفیہ کا راجح مذہب یہی ہے تو وہ اس کے قبول کرنے سے ہرگز اعراض نہیں کرینگے اور اُن عوام کی مدمیں داخل ہونا پسند نہیں کرینگے کہ جہر سے روکنے پر وہ آہستہ بھی ذکر الہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

وليكن هذا اخر الكلام والله ولى نعمة الاتمام وله الحمد فى الاولى و الاخرة۔ والصلوة على رسوله صاحب الايات الظاهرة وعلى آله واصحابه وذريته الطاهرة۔

كتبه

العبد العاصی السید مهدی حسن الشاهجهانفوری

المدرس الاول فی المدرسة الاشرفية الواقعة براندیر

رسالۂ خیر الصلات کے تکملہ کا بقیہ

تحریر حضرت جامع البرکات مولانا مولوی حافظ خلیل احمد صاحب دامت فیوضهم

صدر المدرسین مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

الجواب وبالله الموفق للصواب۔ اس مسئلہ پر کتب فقہ میں دو روایتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک روایت عدم جواز کو مقتضی ہے۔ اور دوسری روایت جواز بکراہت کو۔ چنانچہ بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۱۸۳ میں ہے۔ وهى اربع تكبيرات بثناء بعد الاولى وصلوة على النبى صلى الله عليه وسلم بعد الثانية ودعاء بعد الثالثة۔ وقيد بقوله بعد الثالثة لانه لا يدعو بعد التسليم كما فى الخلاصة وعن الفضلى لا باس به۔ انتهى۔ پہلی عبارت عدم جواز پر دال ہے جسکو صاحب بحر نے قوی قرار دیا ہے۔ اور دوسری عبارت جو بطور روایت فضلی سے نقل کی ہے۔ جس میں لا باس بہ مذکور ہے وہ مشیر بجواز ہے۔ علی ہذا برجندی میں جو محیط سے نقل کیا ہے وہ یہ ہے۔ لا يقوم بالدعاء بعد صلوة الجنازة لانه يشبه الزيادة فيها كذا فى المحيط۔ وعن ابى بكر بن حامد ان الدعاء بعد صلوة الجنازة

مکروہ وقال محمد بن الفضل لا باس بہ۔ اور اسیطرح یہ دونوں قول صاحب قنیہ نے بھی نقل کیے ہیں اور
ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ باب الجنائز تحت حدیث مالک بن ہبیرہ تحریر فرماتے ہیں۔ ولا یدعو للمیت بعد صلوٰۃ
الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ۔ اور کبیری میں ہے۔ فی السراجیۃ اذا فرغ من الصلوٰۃ
لا یقوم بالدعاء۔ بالجملہ ان عبارتوں سے عدم جواز دعا کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ گفتگو محض دعا بعد
صلوٰۃ الجنازہ کے متعلق ہے۔ لیکن اصل سوال اس دعا کے متعلق واقع ہے جو اس زمانہ میں بعض بلاد میں متعارف
ہو رہا ہے۔ بعض بلاد میں تو یہ متعارف ہو رہا ہے کہ نماز سے فارغ ہونیکے بعد ایک شخص حاضرین کو مخاطب کرکے کہتا ہے
کہ ہر شخص بارہ بارہ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھکر اس کا ثواب میت کو پہنچائے۔ اور بعض بلاد میں یہ متعارف ہے کہ نماز جنازہ
سے فارغ ہو کر دعا میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور اس دعا کو اسقدر التزام کیا ہے کہ واجب کے درجہ میں پہنچا دیا ہے کہ اگر کوئی شخص
اسمیں شریک نہو تو اسکو وہابی اور بددین کہتے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ دعا بعد صلوٰۃ الجنازہ اس وجہ سے بھی زیادہ ممنوع
ہو گئی کہ حد بدعت میں داخل ہو گئی۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں جنازہ کے متعلق اسرعوا کا حکم ہے۔ اور یہ تاخیر
جو سورۂ اخلاص پڑھنے کی وجہ سے یا دعا میں مشغول رہنے کی وجہ سے ہوتی وہ اس امر بالاسراع کے منافی ہے
لہذا مکروہ اور ناجائز ہو گی۔ یہ سوال مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کیا گیا ہے
چنانچہ مختصراً ہم اسکو فتاوے سعدیہ سے نقل کیے دیتے ہیں۔ استفتاء۔ ما قولہم دریں مسئلہ کہ بعد نماز جنازہ خواندن
سورۂ اخلاص وفاتحہ و دعا برائے میت جائز است یا نہ۔ بینوا توجروا۔ الجواب۔ خالی از کراہت نیست زیرا کہ
اکثر فقہا بوجہ زیادہ بودن برامر مسنون منع میکنند و بعضے میگویند لا باس بہ۔ و کلمۂ لا باس بہ اکثر در کراہت تنزیہی
مستعمل میشود۔ فی البرجندی لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ۔
فیما کذا فی المحیط وعن ابی بکر بن حامد رح ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروہ وقال محمد
ابن الفضل رح لا باس بہ انتہی۔ وفی القنیۃ۔ عن ابی بکر بن حامد رح ان الدعاء بعد صلوٰۃ
الجنازۃ مکروہ وقال محمد بن الفضل رح لا باس بہ نا قلاً عن المحیط وایضاً فیہا لا یقوم الرجل
بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ۔ قال رضی اللہ عنہ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ نقلاً
عن علاء السعدی و شرح السرخسی وفی خلاصۃ الفتاوی لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ۔
انتہی بقدر الحاجۃ۔ پس دعا بعد صلوٰۃ الجنازہ خصوصاً وہ دعا جو متعارف بلاد ہے۔ قطعاً بدعت و ناجائز ہے۔

حررہ خلیل احمد عفی عنہ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
بندہ عبد الرحمن عفی عنہ	منظور احمد عفی عنہ	بندہ محمد الیاس عفی عنہ	ثابت علی عفی عنہ

صح الجواب
عنایت الٰہی عفی عنہ